عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر

تحقیقی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار	نگران مقالہ
حسین احمد	پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی
رولنمبر BG760636	ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
خطیب پاکستان آرمی	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سیشن 2017-2015

ABUSE Of Family RELATRD Rights,Contemporary ISSUES And Sharia POINT OF VIEW,

Research BASED Study

Research Thesis for M Phil Islamic Studies

Research Writer	Supervisor
Hussain Ahmed	Prof. Dr.Mohyuddin Hashimi
Roll No BG760636	Dean, Faculty of Arabic and
Khateeb	Islamic Studies
Pakistan Army	Allama Iqbal Open University

Faculty of Arabic and Islamic Studies

Allama Iqbal Open University Islamabad

Session 2015-2017

عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر

تحقیقی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ

حسین احمد

رول نمبر: BG760636

وارڈ اعظم نگر ڈاکخانہ و تحصیل دھیر کوٹ ضلع باغ

آزاد جموں و کشمیر

فون نمبر 03215302682

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

Forwarding Sheet by Supervisor

I Prof.Dr.Mohyuddin Hashimi Supervisor of the research student Mr. Hussain Ahmed, do hereby solemnly declare that the thesis entitled "عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر: تحقیقی مطالعہ" being submitted as a partial fulfillment of M.Phil. Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision and is an original work of the student except where otherwise acknowledged in the text. It has not submitted or published earlier for obtaining any degree from this or any other University or Institution.

The thesis is complete in all respects and I fully satisfied with the quality of student's research work. Now it is ready to be evaluated by external subject experts.

Date ________________

Signature

Prof.Dr.Mohyuddin Hashimi

Dean, Faculty of Arabic and Islamic studies

Allama Iqbal Open University Islamabad.

Allama Iqbal Open University Islamabad

Department of Islamic Thought, History and Culture

Approval by the viva voce committee

Title of Thesis: عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر: تحقیقی مطالعہ

Name of student: Hussain Ahmed

Accepted by the Faculty of Arabic and Islamic studies Allama Iqbal Open University Islamabad, for partial fulfillment of the requirements for the Master of philosophy Degree in Islamic Studies.

Supervisor

Viva voce committee

External Examiner

Chairman of the Department

Dean

Members ________ ________ ________

Date:

Declaration

I Hussain Ahmed Son of Abdul Khaliq Bhatti Roll No BG760636 Registration No 15-KBH-02029 student of M.Phil Islamic Studies Allama Iqbal Open University Islamabad, do hereby solemnly declare that the thesis entitled "عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر: تحقیقی مطالعہ" is submitted by me in partial fulfillment of M.Phil Islamic Studies Degree, is my original work except where otherwise acknowledged in the text, and has not been submitted or published earlier and shall not, in future, be submitted by me for obtaining any degree from this or any other university or institution.

Signature:

Name:

Date:

عائلی حقوق کا بے جا استعمال، معاصر مسائل اور شرعی نقطہ نظر: تحقیقی مطالعہ

Abstract

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ یہ معاشرے کا سب سے اہم ادارہ افراد کی تیاری کا مرکز اور روشن مستقبل کا محور ہے۔ خاندان کی بنیاد مرد و عورت کے جائز قانونی تعلق (نکاح) سے پڑتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں خاندان کی مضبوطی کو بہت اہمیت دی گئی ہے اس لیے کہ اس سے معاشرے کا استحکام وابستہ ہے۔ اسلام میں جس قدر خاندان کی مضبوطی پر زور دیا گیا ہے تو اس کے بر خلاف شیطانی قوتیں خاندان کو کمزور کرنے کے لیے بیوی خاوند کے درمیان دوریاں پیدا کر کے اس رشتے میں رخنہ ڈال کر اسے ختم کرنے کے درپے رہتی ہیں۔ ان شیطانی ہتھکنڈوں کے سد باب کے لیے اسلام میں خاندان کے ہر فرد کے حقوق فرائض مقرر کیے گئے ہیں، اور ان حقوق فرائض کی ادائیگی میں بھی توازن واعتدال کے ساتھ ایسا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ کسی ایک رشتہ کے حقوق کی ادائیگی میں شدت یا مبالغہ آرائی کسی دوسرے رشتہ کی حق تلفی کا سبب نہ بنے۔ اس کے ساتھ ساتھ عائلی نظام کے ہر فرد کے حقوق کی واضح حدود اور اس کا دائرہ کار بتا کر ان کے بجائے اضافی حقوق طلب کرنے اور ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت، اپنے حقوق سے تجاوز اور ان کے بے جا استعمال سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اسلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں عائلی حقوق فرائض کو محض فضائل واستحباب کے درجہ میں نہیں رکھا گیا بلکہ انھیں لازمی قرار دے کر ان پر عمل درآمد کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ عائلی زندگی کا ہر رشتہ اپنی جگہ اہم ہے اس لیے کسی ایک کے حقوق کی ادائیگی کو باقیوں کے حقوق کی راہ میں رکاوٹ بنانے سے منع کیا گیا ہے اور توازن واعتدال کے ساتھ سب کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عصر حاضر میں مغربی معاشروں میں اجنبیت، جدت پسندی اور مشرق میں روایات کی آڑ میں عائلی زندگی میں دراڑیں ڈالی جارہی ہیں۔ یہ تباہ کن طرز عمل نہ صرف موجودہ انسانی معاشروں کے لیے تباہ کن ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی کوئی قابل تقلید رویہ نہیں۔ عائلی اصلاح بہت ضروری ہے اگر عائلی مسائل سے غفلت برتی گئی اور بگاڑ کو جاری رہنے دیا گیا تو پھر معاشرے کا کوئی پہلو بہتری اور بھلائی سے مالا مال نہ ہو سکے گا بلکہ اندیشہ ابتری اور تباہی کا ہے۔ اس کا واحد، جامع اور قابل عمل حل وحی کی تعلیمات میں ہے جس کو نازل کرنے والی ذات کا ہر حکم فطرت وضرورت انسانی کے عین مطابق اور توازن واعتدال پر مبنی ہوتا ہے۔

اظہار تشکر

حمد وستائش اس ذات رب العالمین کے لیے کہ جس کے مجھ پر بے شمار انعامات واحسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے تحقیق جیسے اہم کام کی سعادت بخشی اور اس مقالہ کو اس مرحلے تک پہنچانے میں ہر قدم پر میری مدد فرمائی۔

میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کا بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے مجھے اس تحقیق کا موقع فراہم کیا اور بہترین اساتذہ و محققین کی صلاحیتوں سے استفادہ ممکن بنایا جنہوں نے الحاد واستشراق اور بے لگام جدت پسندی کے علی الرغم اسلاف کے طرز تحقیق کو اپنا کر عصر حاضر میں اسلام کی جدید خطوط پر ایسی خدمت کی کہ جسے روایت پسند علماء بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں اپنے استاد محترم شیخ الحدیث مولانا سلیم اعجاز مدیر جامعہ انوار العلوم دہیر کوٹ آزاد کشمیر کا انتہائی مشکور ہوں کہ جنہوں نے انتخاب موضوع کے لیئے مجھے مشورہ دیا اور نہ صرف یہ کہ اس موضوع کی ضرورت وافادیت واضح کی بلکہ اس موضوع پر متعدد مصادر و مراجع کی جانب بھی راہنمائی کی۔

اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا محمود الحسن محمود کا بھی مشکور ہوں کہ جن کی ترغیب وتلقین اور ڈھارس نے مجھے تحقیقی کام کی راہ پر گامزن کیا۔

والد محترم نے بچپن سے اب تک ہر موقع پر میری تعلیم پر اپنی خصوصی توجہ رکھی، اور اس تحقیقی سفر میں تو ان کی خواہش دعائیں، حوصلہ افزائی اور بروقت کام کرنے کی ترغیب میرے لیے ناقابل فراموش ہیں۔

میں اپنے محترم استاد اور نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کا خاص طور پر مشکور ہوں کہ جنہوں نے ایم فل کے کورس ورک میں اپنے قیمتی لیکچرز سے مستفید کیا اور انتخاب موضوع سے لے کر تکمیل تک ہر مرحلے پر حوصلہ افزائی، رہنمائی اور سرپرستی کی۔ میں نے جب اس موضوع پر تحقیقی کام کی خواہش کا اظہار کیا تو موصوف نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے غور وفکر کے بعد تحقیق کے لیے نہ صرف یہ کہ اس موضوع کو پسند کیا بلکہ عنوان بھی خود تجویز کیا اور تحقیقی کام کے دوران مختلف اہم مراجع ومصادر کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ جدید پیش آمدہ عائلی مسائل میں مسلمہ فقہی آراء سے استفادہ کا جو حکم دیا وہ نہ صرف یہ کہ اس مقالہ میں بلکہ میری ساری زندگی میرے لیے مشعل راہ ہے۔

فہرست مضامین

مقدمہ

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔یہ معاشرے کا سب سے اہم ادارہ افراد کی تیاری کا مرکز اور روشن مستقبل کا محور ہے۔معاشرے کو اگر عمارت متصور کیا جائے تو خاندان اس میں ایک اینٹ کی طرح ہے۔کسی عمارت میں اگر اینٹ مضبوط ہو اور صحیح مقام پر درست طرح لگائی بھی گئی ہو تو اس عمارت کی مضبوطی یقینی ہوتی ہے، لیکن اگر اینٹ ہی مضبوط نہ ہو یا اسے درست طریقے سے درست جگہ نہ لگایا گیا ہو تو اس عمارت کی مضبوطی مشکوک رہتی ہے۔اسی طرح اگر خاندان کا ادارہ مضبوط اور اس کی بنیاد درست اصولوں پر رکھی جائے تو اس کی بنیاد پر قائم ہونے والا معاشرہ ایک مستحکم معاشرہ ہوگا، لیکن اس کے برعکس اگر خاندان کمزور ہوں تو ان سے ایک مضبوط معاشرہ کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔بہترین معاشرے کے قیام کیلئے خاندان کا کردار مسلمہ ہے،اس کے بغیر بہترین افراد کی تیاری کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اگر یہ اپنے کام میں سست روی یا غلطی کا شکار ہو تو اس کے منفی اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔جس معاشرے میں خاندان مضبوط نہ ہوں اس قوم کا حال ہی نہیں مستقبل بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔

خاندان کی تشکیل مرد وعورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے،مرد وعورت کا یہ باہمی جنسی تعلق اگر بے ضابطہ اور قانون سے مبرا ہو تو اس کی حیثیت جانوروں کے اس ریوڑ سے زیادہ نہیں ہے جس میں نر و مادہ کا جنسی اتصال محض نفسانی خواہشات کی تکمیل اور افزائش نسل کا ہی حصول ٹھہرتا ہے۔لیکن یہی تعلق اگر کچھ ضابطوں کا پابند ہو تو اس سے ایک صالح اور مضبوط گھرانہ اور پھر ایسا ہی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔اسلام میں خاندنی نظام کے بارے میں تفصیلی رہنمائی کی گئی ہے قرآن مجید کی متعدد سورتوں کے نام ہی عائلی زندگی کے پیش آمدہ مسائل اور ان کے حل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلا سورۃ النساء وسورہ طلاق وغیرہ، نبی اکرم ﷺ کی احادیث میں بھی عائلی زندگی کے بارے میں تفصیلی احکامات موجود ہیں۔اور فقہاء نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے مختلف عائلی احکامات ومسائل کو الگ الگ ابواب وفصول میں مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

جن اقوام نے وحی کی تعلیمات سے علی الرغم خود ساختہ عائلی قوانین بنائے ان کا یہ ادارہ خاندان بری طرح متاثر ہوا جس کی حالیہ مثال مغربی اقوام کا تباہ شدہ عائلی اور معاشرتی نظام ہے۔اللہ تعالیٰ جو ان کا خالق ومالک ہے وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ مرد وعورت میں اس نے کیا کیا صلاحیتیں رکھی ہیں اور ان صلاحیتوں کے مطابق ان کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں،اس لیئے عائلی حقوق کے تعین اور ان کی حدود کے بارے میں اسی کی تعلیمات ہی فطری، مناسب اور ضروریات کے عین مطابق ہو سکتی ہیں۔

اسلام میں ہر فرد کے عائلی حقوق متعین ہیں اور کوئی فرد،خاندان،معاشرہ یا ریاست ان حقوق اور ان کی حدود سے تجاوز کی مجاز نہیں ہے۔خاندان کے تمام افراد اور ان کے متعلقین کے درمیان یگانگت، ہم آہنگی اور تعاون کی فضا قائم کرنے کے لیئے

ہر فرد کو نہ صرف یہ کہ اس کے حقوق دیے گئے ہیں بلکہ ان حقوق کی حدود اور ان کے جائز استعمال کی تلقین بھی کی گئی ہے۔اپنے فطری مزاج کے عین مطابق اسلامی تعلیمات میں عائلی حقوق میں بھی اعتدال و توازن برقرار رکھا گیا ہے۔عائلی حقوق کے حصول اور عائلی فرائض کی ادائیگی میں توازن اور اعتدال کے ساتھ ایسا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ کسی رشتہ کے حقوق کی ادائیگی میں شدت یا مبالغہ آرائی دوسرے کسی رشتہ کی حق تلفی کا باعث نہ بن جائے۔اسلام میں خاندان کے تمام افراد اور ان کے متعلقین کے واضح حقوق متعین کرنے کے ساتھ ان کی حدود بھی واضح کی گئی ہیں ہر فرد کو اس کے حقوق سے تجاوز کرنے یا اپنے حق کے بے جا استعمال سے منع کیا گیا ہے۔اور سب سے اہم یہ کہ ان مسائل کو محض فضائل اور استحباب سے ایک قدم آگے احکامات کے درجے میں لایا گیا ہے۔

بدقسمتی سے ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج کل عائلی حقوق سے تجاوز،اور ان کے بے جا استعمال کی ایسی مختلف صورتیں سامنے آرہی ہیں جو خاندانی نظام کے لیئے زہر قاتل ہیں،مثلاً شوہر کی جانب سے اپنے حق قوامیت کا بے جا استعمال، بیوی کی جانب سے اپنے حق نفقہ کا بے جا استعمال اور والدین کی جانب سے اپنے حق تولیت سے تجاوز وغیرہ۔

افواج پاکستان میں منبر و محراب سے وابستگی کے ناطے مجھ سے پچھلے سترہ سالوں میں ملک کے مختلف علاقوں کے متعدد افراد کی جانب سے عائلی حقوق کے متعلق متعدد مسائل پوچھے گئے جن سب میں قدر مشترک عائلی حقوق سے تجاوز اور ان کا بے جا استعمال تھا۔دوسری جانب عائلی حقوق پر بہت سی کتب،رسائل اور مقالہ جات بھی موجود ہیں لیکن ان میں زیادہ تر عائلی حقوق فضائل واستحباب کے درجے میں تو بیان کیے گئے ہیں لیکن ان کے بے جا استعمال،ان سے تجاوز اور ان کی حدود پر کم مواد دستیاب ہے۔اس موضوع پر قریب کے زمانے میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کی ڈاکٹر حافظہ شاہدہ پروین نے،،عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات،،کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کرکے بہترین کام سرانجام دیا ہے،لیکن انھوں نے اس میں زیادہ تر زوجین کے باہمی مسائل کو ہی زیر بحث لایا ہے۔میرے پیش نظر زوجین کے باہمی مسائل کے ساتھ ساتھ اولاد،والدین،بہن بھائیوں اور سسرال کے حوالہ سے پیش آمدہ مسائل بھی ہیں۔

اس موضوع پر تحقیقی کام کی خواہش کا اظہار میں نے اپنے محترم استاد و نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی سے کیا تو انھوں نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے غور و فکر کے بعد تحقیق کے لیے نہ صرف یہ کہ اس موضوع کو پسند کیا بلکہ عنوان بھی خود تجویز کیا۔اس تحقیقی کام کا موضوع تو عائلی حقوق کا بے جا استعمال ہے،لیکن چونکہ بہت سے عائلی مسائل عائلی حقوق سے تجاوز کے سبب بھی پیش آتے ہیں،اس لیے اس میں اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

حقوق کا بے جا استعمال اور حقوق سے تجاوز دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس مقالہ میں عائلی حقوق کی خلاف ورزیوں کو زیر بحث لاتے ہوئے یہی دو اصطلاحات پیش نظر ہیں۔ اور انھیں زیر بحث لاتے ہوئے انھی تعریفات اور فرق کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو ڈاکٹر محی الدین ہاشمی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ،، حقوق کا بے جا استعمال، شرعی نقطۂ نظر ،، میں بیان کی ہیں۔

،، حق کے بے جا استعمال سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے قانونی حق کے تقاضے کے مطابق کوئی ایسا کام کرے جو در اصل جائز ہو لیکن اس طریقے سے کرے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے یا شارع نے جس مقصد کے تحت اسے جائز قرار دیا تھا اس شرعی حکمت کے خلاف ہو۔ ،، (1)۔

جبکہ حق سے تجاوز یہ ہے کہ جو چیز سرے سے کسی کا حق ہی نہ ہو اسے اپنا حق سمجھ کر وصول کرنا یا وصولی کا تقاضہ کرنا۔

حق سے تجاوز اور حق کے بے جا استعمال میں فرق بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محی الدین ہاشمی رقمطراز ہیں۔

حق سے تجاوز اور حق کے بے جا استعمال میں فرق:

،، بسا اوقات حق و اختیار کے بے جا استعمال اور حق و اختیار سے تجاوز کو باہم گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں یکسر دوسرے سے مختلف ہیں، اول الذکر کو تعسف اور موخر الذکر کو حق سے تجاوز یا تعدی کہتے ہیں۔ ،، (2)۔

ڈاکٹر محی الدین ہاشمی نے اس مقام پر مثالوں کے ذریعہ دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

،، اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں بلا اجازت عمارت بنائی یا فصل کاشت کر لی تو وہ غاصب اپنی حدود سے تجاوز کرنے والا قرار پائے گا۔ اس کا یہ عمل سرے سے ہی جائز نہیں ہو گا کیونکہ اسے دوسرے کی زمین استعمال کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں تھا، چاہے اس کے فعل سے دوسرے کا فائدہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں اپنی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے اتنی بلند دیوار بنا دی جس کی وجہ سے پڑوسی کو ملنے والی روشنی اور ہوا کے راستے بند ہو گئے اور نتیجتاً پڑوسی کے لیے اپنی ملکیت سے معمول کے مطابق فائدہ اٹھانا مشکل ہو گیا یا دوسرے الفاظ میں اس کے لیے اپنی ملکیت سے مطلوبہ منفعت کا حصول نا ممکن یا دشوار ہو گیا تو یہ مالک کی طرف سے اپنی ملکیت کے حق کا بے جا استعمال قرار پائے گا۔ مالک نے اگرچہ اپنے حق میں

1۔ ہاشمی، ڈاکٹر محی الدین۔ حقوق کا بے جا استعمال شرعی نقطہ نظر۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2014ء۔ ص 9۔

2۔ ایضاً۔ ص 41۔

قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے تصرف کیا ہےاور اس کا حق ملکیت اسے جس مادی اور قانونی تصرف،اور فائدہ اٹھانے کے اختیارات دیتا ہے،اس نے انھی کو استعمال کیا ہے لیکن یہ تصرف اس وجہ سے نا جائز قرار پائے گا کہ اس کے نتیجے میں دوسرے شخص کو شدید ضرر سے دوچار ہونا پڑا۔،،(1)۔

بنیادی طور پر خاندان کی اساس خاوند اور بیوی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کے کچھ ایسے انتہائی قریبی رشتے بھی ہیں جو ان دونوں کیلئے انتہائی اہم ہونے کے علاوہ حق دار بھی ہوتے ہیں،اور عموماان دونوں کے باہمی تعلقات پر اثر انداز بھی ہوتے رہتے ہیں۔اس لیئے مقالہ میں ان کے حقوق وحدود کا بھی ذکر کیا گیا ہے ان میں زوجین کے والدین،اولاد اور بہن بھائی شامل ہیں۔

پہلے باب میں رشتہ وخاندان کی لغوی واصطلاحی تعریفات،شرعی اہمیت،اسلام میں خاندان کے تصور،خاندان کی تاریخ،ارتقاء کی مباحث وغیرہ ذکر کی گئی ہیں۔دوسرے باب میں زوجین اور اولاد کے حقوق،ان حقوق کی حدود اور چند معاصر مسائل اور ان پر شرعی احکام کا ذکر کیا گیا ہے۔تیسرے باب میں والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق،ان حقوق کی حدود اور کچھ معاصر مسائل اور ان پر شرعی زاویہ نگاہ بیان کیا گیا ہے۔چوتھے باب میں سسرالی رشتوں کے حقوق،ان حقوق کی حدود اور چند معاصر مسائل اور ان کا شرعی حل تحریر کیا گیا ہے۔

زیر تحقیق موضوع میں ان بنیادی سوالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق اور ان کی حدود کیا ہیں؟ والدین اور اولاد کے باہمی حقوق اور ان کی حدود کیا ہیں؟سسرال اور داماد،بہو کے باہمی حقوق اور ان کی حدود کیا ہیں؟۔

یہ مقالہ بیانیہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔آیات قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے(المحمود)کو اختیار کیا گیا ہے،احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے اصول روایت - ودرایت - کو پیش نظر رکھا گیا ہےاور مختلف مسائل میں مسلمہ فقہی آراء کو ہی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عائلی زندگی میں مسائل کا کھڑا ہو جانا کوئی نئی بات نہیں۔نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ صالح معاشرہ میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے اس دور میں بھی عائلی مسائل کی موجودگی کا اندازہ ہوتا ہے۔مشیت ایزدی سے اس دور میں ان واقعات کا ظہور شاید آنے والے دور میں مسلمان معاشروں کو ایسے عائلی مسائل میں قبل از وقت - رہنمائی اور اسوہ فراہم کرنے کے لیے تھا۔مثلاازدواج مطہرات رضی اللہ عنھن کا نفقہ میں کثرت کا مطالبہ،حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا حضرت

1۔ہاشمی،حقوق کا بے جا استعمال شرعی نقطہ نظر۔ص41:42۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو طلاق دینا، [illegible] - بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا ناپسندیدگی کی بنا پر خلع لینا، خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا کا اپنے نکاح کے بارے میں اپنے والد کے فیصلے سے اختلاف کرنا اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نفقہ کی تنگی کی شکایت کرنا وغیرہ۔

اسلامی معاشروں میں ہمیشہ سے عائلی مسائل موجود رہے ہیں، لیکن عصر حاضر میں عائلی مسائل کی کثرت اور خوفناک حد تک اضافہ لمحہ فکریہ ہے۔ ان بڑھتے ہوئے عائلی مسائل کے طوفان کے آگے بند صرف وحی کی تعلیمات کی روشنی میں ہی باندھا جا سکتا ہے۔ اس مقالہ میں اسی حوالہ سے ایک کوشش بروئے کار لائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرما کر امت مسلمہ کے بڑھتے ہوئے عائلی مسائل کے حل کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)۔

حسین احمد

خطیب پاکستان آرمی

17 مئی 2018ء

یکم رمضان المبارک 1439ھ

باب اول

اسلام کا خاندانی تصور ،تاریخ،ارتقاء

فصل اول

بنیادی مباحث

مبحث اول: رشتہ کی لغوی و اصطلاحی تعریفات

مبحث دوم: خاندان کی لغوی و اصطلاحی تعریفات

مبحث سوم: خاندان کے عناصر ترکیبی

مبحث چہارم: خاندان کے لوازمات

رشتہ کی لغوی واصطلاحی تعریفات:

رشتہ کے حقوق کو عربی میں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہ دو لفظوں صلہ اور رحم سے مل کر بنا ہے۔ صلہ اور وصل لغت میں وصل، یصل سے مصدر ہیں، اور ان کا مادہ ،،و، ص، ل،، ہے

الْوَاوُ وَالصَّادُ وَاللَّامُ: أَصْلٌ وَاحِدٌ يَدُلُّ عَلَى ضَمِّ شَيْءٍ إِلَى شَيْءٍ حَتَّى يَعْلَقَهُ. وَوَصَلْتُهُ بِهِ وَصْلًا. وَالْوَصْلُ ضِدُّ الْهِجْرَانِ (1)۔

،،واؤ، صاد اور لام (وصل) اس کا معنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ اس طرح ملانا کہ دونوں چیزیں ملتے ہی معلوم ہوں، اور وصل ہجران (چھوڑنے ترک کرنے) کی ضد ہے۔،، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے۔

الصِّلَةُ فِي اللُّغَةِ: الضَّمُّ وَالْجَمْعُ، يُقَالُ: وَصَلَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ وَصْلًا وَصِلَةً [illegible] وَعَنِ ابْنِ سِيدَهْ: الْوَصْلُ خِلَافُ الْفَصْلِ (2)۔ ،،صلہ لغوی طور پر کسی چیز کے ملانے اور جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ایک چیز دوسری سے مل گئی۔ اور ابن سیدہ کہتے ہیں کہ وصل فصل کی ضد ہے۔،، اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے۔

،،صلہ کے لغوی معنی ہیں۔ عطیہ، احسان، ھبہ، انعام (اجارہ) تعلق مزدوری یا اجر اور خویشی ور شتہ داری (یہیں سے رشتے داروں اور متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کے لیے صلۃ الرحم یا صلہ رحمی کی اصطلاح پیدا ہوئی)۔،،(3)۔

،،شرعی عبادات میں صلہ سے مراد کسی ایسی چیز کا عطا کرنا ہے، جس کا بدل یا مطلقا کوئی مالی معاوضہ نہ ہو سکے۔ جیسے زکوٰۃ نذر اور کفارہ وغیرہ۔،،(4)۔

لغوی طور پر رحم اسم مشتق ہے جس کا مادہ ،،ر، ح، م،، ہے، جو نرمی، شفقت اور مہربانی پر دلالت کرتا ہے۔ اسے دو طرح پڑھا جا سکتا ہے رَحم اور رِحم دونوں الفاظ رشتہ داری اور قرابت کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور رحم مادر کا لفظ بھی اسی لیے بولا جاتا ہے کہ ماں کی طرف سے اولاد کو بے شمار نرمیوں اور شفقتوں سے نوازا جاتا ہے۔

1۔ ،،وصل،، قزوینی، أحمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازي أبو الحسین، م395ھ۔ معجم مقاییس اللغۃ۔ محقق عبد السلام محمد ھارون، دار الفکر، 1399ھ: 1979ء۔ ج6 ص115۔

2۔ ،،باب التعریف، وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ۔ الکویت۔: طبع من 1404 - 1427 ھ، ج27 ص357۔

3۔ ،،لسان العرب، ذیل مادہ وصل،، دانش گاہ پنجاب۔ اردو دائرہ معارف اسلامی۔ لاہور: مجلس انتظامیہ جامعہ پنجاب، 1946ء، جلد12 ص205۔

4۔ ایضا۔

الرَّاءُ وَالْحَاءُ وَالْمِيمُ أَصْلٌ وَاحِدٌ يَدُلُّ عَلَى الرِّقَّةِ وَالْعَطْفِ وَالرَّأْفَةِ. يُقَالُ مِنْ ذَلِكَ رَحِمَهُ يَرْحَمُهُ، إِذَا رَقَّ لَهُ وَتَعَطَّفَ عَلَيْهِ. وَالرُّحْمُ وَالْمَرْحَمَةُ وَالرَّحْمَةُ بِمَعْنًى. وَالرَّحِمُ: عَلَاقَةُ الْقَرَابَةِ، ثُمَّ سُمِّيَتْ رَحِمُ الْأُنْثَى رَحِمًا مِنْ هَذَا، لِأَنَّ مِنْهَا مَا يَكُونُ مَا يُرْحَمُ وَيُرَقُّ لَهُ مِنْ وَلَدٍ (1)۔ ""ر، ح، م،" کے مادہ سے بننے والا رحم نرمی شفقت اور مہربانی کی نشاندہی کرتا ہے۔ رُحم اور رِحم دونوں الفاظ رشتہ داری اور قرابت کے معنی میں ہیں۔ رحم مادر بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماں کی طرف سے اولاد کو بے شمار نرمیوں نوازا جاتا ہے۔""

صلہ رحمی کی اصطلاحی تعریف اور اس کا حکم:

صلہ رحمی سے مراد اپنے عزیز و اقارب سے اپنی استطاعت کے مطابق حسن سلوک اور احسان کرنا ہے، خواہ وہ ملاقات کے لیے آئیں یا ان سے ملاقات کے لیے جایا جائے، اسی طرح ان کے ساتھ مالی تعاون، حسب مراتب اور دوسرے حقوق کا ادا کرنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا صِلَةُ الرَّحِمِ فَهِيَ الْإِحْسَانُ إِلَى الْأَقَارِبِ عَلَى حَسَبِ حَالِ الْوَاصِلِ وَالْمَوْصُولِ فَتَارَةً تَكُونُ بِالْمَالِ وَتَارَةً بِالْخِدْمَةِ وَتَارَةً بِالزِّيَارَةِ وَالسَّلَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ (2)۔

صلہ رحمی اسلامی تعلیمات کی رو سے بالاتفاق واجب ہے اور قطع رحمی کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب شمار ہوتا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

قَالَ الْقَاضِي عِيَاضٌ: وَلَا خِلَافَ أَنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَاجِبَةٌ وَقَطِيعَتَهَا مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ. قَالَ: وَالْأَحَادِيثُ فِي الْبَابِ تَشْهَدُ لِهَذَا، وَلَكِنَّ الصِّلَةَ دَرَجَاتٌ بَعْضُهَا أَرْفَعُ مِنْ بَعْضٍ، وَأَدْنَاهَا تَرْكُ الْمُهَاجَرَةِ وَصِلَتُهَا بِالْكَلَامِ وَلَوْ بِالسَّلَامِ (3)۔

""اس بات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں کہ صلہ رحمی واجب ہے، اور قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے۔ اور فرماتے ہیں متعدد احادیث اس باب میں اس بات کی شہادت دیتی ہیں۔ اور لیکن صلہ رحمی کے درجات مختلف ہیں اور ہر درجہ دوسرے سے مختلف وجوہات کی بنا پر اپنا مقام آپ ہے۔ قطع تعلق کو ترک کرتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کرنا اگرچہ یہ دعا سلام ہی کیوں نہ ہو یہ صلہ رحمی کی ادنیٰ ترین صورت ہے۔""

1۔ قزوینی، معجم مقاییس اللغۃ، ج6 ص89۔

2۔ النووی، ابوزکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی م676ھ۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، طبع ثانی 1392ھ، باب بداء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ج2 ص201۔

3۔ النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم، باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتہا، ج16 ص113۔

اور قرابت کے معنی میں ہیں۔ رحم اور ربھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماں کی طرف سے اولاد کو بے شمار نرمیوں اور شفقتوں سے نوازا جاتا ہے۔،،

صلہ رحمی کی اصطلاحی تعریف اور اس کا حکم:

صلہ رحمی سے مراد اپنے عزیز واقارب سے اپنی استطاعت کے مطابق حسن سلوک اور احسان کرنا ہے، خواہ وہ ملاقات کے لیے آئیں یا ان سے ملاقات کے لیے جایا جائے، اسی طرح ان کے ساتھ مالی تعاون، حسب مراتب اور دوسرے حقوق قرابت کا ادا کرنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں۔

وَأَمَّا صِلَةُ الرَّحِمِ فَهِيَ الْإِحْسَانُ إِلَى الْأَقَارِبِ عَلَى حَسَبِ حَالِ الْوَاصِلِ وَالْمَوْصُولِ فَتَارَةً تَكُونُ بِالْمَالِ وَتَارَةً بِالْخِدْمَةِ وَتَارَةً بِالزِّيَارَةِ وَالسَّلَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ (2)۔

صلہ رحمی اسلامی تعلیمات کی رو سے بالاتفاق واجب ہے اور قطع رحمی کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب شمار ہوتا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

قَالَ الْقَاضِي عِيَاضٌ وَلَا خِلَافَ أَنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَاجِبَةٌ فِي الْجُمْلَةِ وَقَطِيعَتَهَا مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ قَالَ وَالْأَحَادِيثُ فِي الْبَابِ تَشْهَدُ لِهَذَا وَلَكِنَّ الصِّلَةَ دَرَجَاتٌ بَعْضُهَا أَرْفَعُ مِنْ بَعْضٍ وَأَدْنَاهَا تَرْكُ الْمُهَاجَرَةِ وَصِلَتُهَا بِالْكَلَامِ وَلَوْ بِالسَّلَامِ (3)۔

،،اس بات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں کہ صلہ رحمی واجب ہے، اور قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے۔ اور فرماتے ہیں متعدد احادیث اس باب میں اس بات کی شہادت دیتی ہیں۔ اور لیکن صلہ رحمی کے درجات مختلف ہیں اور ہر درجہ دوسرے سے مختلف وجوہات کی بنا پر اپنا مقام آپ ہے۔ قطع تعلق کو ترک کرتے ہوئے اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کرنا اگرچہ یہ دعا سلام ہی کیوں نہ ہو یہ صلہ رحمی کی ادنیٰ ترین صورت ہے۔،،

1۔قزوینی، معجم مقاییس اللغۃ، ج6 ص89۔

2۔النووی، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی م676ھ۔المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔بیروت: دار احیاء التراث العربی، طبع ثانی 1392ھ، باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ج2 ص201۔

3۔النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم، باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتہا، ج16 ص113۔

خاندان کی لغوی واصطلاحی تعریفات:

خاندان اردو زبان کا لفظ ہے۔اسے عربی میں الاسرۃ،انگریزی میں (Family)اور فارسی میں خانوادہ کہا جاتا ہے۔یہ عرف عام میں کنبہ کہلاتا ہے۔الاسر مادے اور اصل کے اعتبار سے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، جن میں خاندان،قیدی، کسی چیز کو پوشیدہ رکھنا، مضبوطی و پختگی اور ترتیب و تنظیم شامل ہیں۔ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

،،الاسرۃ،،خاندان کے لیے مستعمل عربی لفظ ہے،اس کا مادہ،،ا،س،ر،،ہے جنھیں اگر ملا کر پڑھا جائے تو،،اسر بنتا ہے جو کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔البتہ الاسرۃ خاندان کو ہی کہا جاتا ہے۔لسان العرب میں ہے۔

والأُسْرَةُ الحصد، ولُ يقُ الكلأ والرماح (1)۔

،،اسر،،مختلف حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔اسے اگر،،اسر،،زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ سرگوشی اور خفیہ بات کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا (2)۔،،اور جب نبیؐ نے اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کہی۔،،

اگر اسے الأَسْرُ پڑھا جائے تو یہ سختی، پختگی اور مضبوطی کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔

الأَسْرُ: الشَّدُّ، والعَصْبُ، وشِدَّةُ الخَلْقِ والخُلُقِ (3)۔

قرآن مجید میں ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ (4)۔،،ہم نے ہی انھیں پیدا کیا اور ہم نے ان(کے اعضا) کا بندھن مضبوط باندھا۔،،

اور اگر اسے الأُسر پڑھا جائے تو یہ حبس البول کے معنٰی میں آتا ہے۔ابن منظورؒ لکھتے ہیں۔

الأُسر يعني احتباسُ البَول (5)۔

1۔،،باب الالف،،ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصري،م711ھ۔لسان العرب۔بیروت:دار صادر، طبع ثانی1414ھ،ج4ص19۔

2۔التحریم3۔

3۔،،فصل الھمزہ،،فیروز آبادی، مجد الدین، أبو طاھر محمد بن یعقوب،م817ھ۔القاموس المحیط۔بیروت:مکتب تحقیق التراث فی مؤسسۃ الرسالۃ، طبع ثانی1426ھ،2005ء،ج1ص343۔

4۔الدھر28۔

5۔ابن منظور،لسان العرب، محولہ بالا،ج4،ص20۔

مذکورہ تمام معانی میں سے ہما را مقصود خاندان ہے جس کے لیے الاسرۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ خاندان کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عربی میں العائلہ اور اھل کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

الاسرۃ کا مترادف العائلہ اور اھل:

العائلہ اسم فاعل بمعنی مفعول ہے۔ اور عائلہ عربی میں کہا جاتا ہے۔

العائلة: اسم فاعل بمعنى مفعول من يعولهم الشخص، من يضمهم بيت الرجل وينفق عليهم من زوجة وأقارب (1)۔

،، جن کی طرف کوئی شخص لوٹ کر جاتا ہے، اور ان سے ملاقات کرتا ہے اور اپنے عزیز و اقارب اور بیوی میں سے جن پر خرچ کرتا ہے،،

قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث میں الاسرۃ کے مترادف لفظ اھل کو خاندان یا اس کے ساتھ ملتے جلتے مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ اھل الاسرۃ کے مفہوم کی عکاسی کرتا ہے قرآن مجید میں لفظ اھل خاندان کے لیے بارہا استعمال ہوا ہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

1. اذ را نارا فقال لاهله امكثوا انی آنست نارا (2)۔

جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔،،

2. انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا (3)۔

،، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔،،

3. قال يا نوح انه ليس من اهلك (4)۔

،فرمایا اے نوح! بے شک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں۔،،

اصطلاحی تعریفات:

1۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں درج تعریف:

أُسْرَةُ الإنسان: عشيرته ورهطه الأدنون، مأخوذ من الأسر، وهو القوة، وسموا بذلك لأنه يتقوى بهم، والأسرة عشيرة الرجل

1۔ ،، حرف العین،، قلعجي، قنيبي، محمد رواس قلعجي - حامد صادق قنيبي ۔ معجم لغة الفقهاء۔ دار النفائس للطباعة والنشر والتوزیع، طبع ثانی 1408 ھ - 1988ء، ج1 ص299۔ 2۔ طٰہٰ 10۔

3۔ الاحزاب 23۔

4۔ ھود 46۔

وأهله بيته ، (1)۔

،،ملا نی خاندان اس کی آل واولاد اور باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔اور اسرۃ اسر سے ماخوذ ہے اور اسر قوت کو کہا جاتا ہے۔اس لیے کہ انسان اپنے اہل وعیال کے ذریعے قوت حاصل کرتا ہے۔اور آدمی کے اپنے گھر والوں کے گزر بسر کے انتظام کو اسرۃ کہتے ہیں۔،،

2۔ابو جعفر نحاس کے مطابق تعریف:

وَقَالَ أبوجعفر النَّحَّاسُ :الأُسْرَةُ بِالضَمِّ :أقاربُ الرَّجل من قبل أبيه (2)۔

،،باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو اسرۃ (خاندان) سے موسوم کیا جاتا ہے۔،،

3۔علامہ حصکفی کی بیان کردہ تعریف:

،، کسی شخص کا خاندان اس کی بیوی اور گھر کے افراد ہیں۔،، وہ لکھتے ہیں۔

وأهله زوجته وآله أهل بيته (3)۔

4۔دی کولمبیا انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے۔

Social group consisting of parents and their children .To this group of genetically related persons others may b added, as slaves, servants and the wives or husbands or sons or daughters and their children. Thus arises the extended family or lineage, also called the large or joint family, an important economical as well as biological unit. (4).

1۔الموسوعة الفقهية الكويتية، باب الالفاظ ذات الصلة، ج4، ص223۔

2۔،،باب اسر،، زبیدی، محمّد بن محمّد بن عبدالرزّاق الحسيني، أبوالفيض، م1205ھ۔تاج العروس من جواهر القاموس۔دارالهداية، ت۔ن، ج10 ص51۔

3۔الحصكفي، محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدين الحصكفي الحنفي، م1088ھ۔الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار۔محقق عبدالمنعم خليل ابراهيم، دار الكتب العلمية، طبع اول 1423ھ- 2002ء۔باب الوصية للاقارب وغيرهم، ج1 ص741۔

4. The Columbia Encyclopedia,Article : family, Columbia university press, Newyork second edition, 1950,page 653.

،،خاندان ایک معاشرتی گروپ ہے جو والدین اور ان کے بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جینیاتی اعتبار سے باہم متعلق اس گروپ میں کئی دوسرے افراد مثلاً غلام، ملازمین، بیٹے اور بیٹوں کی بیویاں اور شوہر اور ان کے بچے بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔ اس سے ایک توسیعی خاندان یا شجرہ نسب وجود میں آتا ہے، جس کو بڑا یا مشترکہ خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک اہم معاشی حیاتیاتی اکائی ہوتا ہے۔،،

5۔ کورڈن مارشل کی بیان کردہ تعریف:

ڈاکٹر خالد رحمان کورڈن مارشل کے حوالہ سے خاندان کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں۔

An intimate domestic group made up of people related one another by bonds of blood, sexual matching or legal ties. It has been a very resilient social unit that has survived and adapted through time.

ایک قریبی گھریلو گروہ جو خونی رشتے، جنسی رابطہ یا قانونی بندھن کی بنا پر ایک دوسرے سے مربوط ہونے کی اساس پر وجود میں آیا ہو۔ یہ ایک بہت لچک دار سماجی اکائی رہا ہے جو زمانے کے مختلف ادوار میں ہم آہنگ ہو کر باقی رہا ہے۔،، (1)۔

خاندان کے عناصر ترکیبی:

بنیادی طور پر خاندان خاوند اور بیوی کے ازدواجی تعلق سے وجود میں آتا ہے کیونکہ مرد و عورت کی باہمی رابطہ سے وجود میں آنے والا چھوٹا سا کنبہ انسانی معاشرتی زندگی کی بنیاد ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے انسانی دنیا کا اولین رشتہ خاوند بیوی کا ہے، یہی تمام رشتوں کی اساس اور خاندان کی بنیاد ہے اور اسی سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے قرآن مجید میں اس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (2)۔

،،اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو۔ یقین رکھو اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔،،

قرآن مجید زوجین کے رشتہ کو صرف اولین رشتہ ہی قرار نہیں دیتا، بلکہ یہ وہ واحد رشتہ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی قدرت

1۔ خالد رحمان، سلیم منصور۔ عورت خاندان اور معاشرہ۔ اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2007ء، ص 47۔

2۔ النساء 1۔

کی نشانیوں کے طور پر بھی کیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (1)۔

،،اور اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون پا سکو،اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے۔،،

حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جلد ہی اللہ تعالی نے ان کی زندگی کے ساتھی کو پیدا کیا،اس وقت سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک آنے والے تقریبا تمام انبیاء ورسل رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے،چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّةً (2)۔

،،حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں،اور انھیں بیوی بچے بھی عطا فرمائے ہیں۔،،

اللہ تعالی نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کی فطری ضرورت بنایا ہے اور یہ ایک ایسی ضرورت اور خواہش ہے جو ہر جاندار میں موجود ہے چنانچہ قرآن مجید میں زوجین کو ایک دوسرے کے لیئے فطری ضرورت کے طور پر لباس کی مانند ضروری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (3)۔ ،،وہ(بیویاں)تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔،،

مشہور محاورہ ہے کہ،،خاوند بیوی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں،،یہ بات درست ہے کیونکہ زندگی کی گاڑی نہ شوہر کے بنا چل سکتی ہے نہ بیوی کے بغیر،ان میں سے کوئی ایک بھی زندگی سے نکل جائے تو دوسرے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے انسانی معاشرت کا اولین اور بنیادی ادارہ خاندان مرد و عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتا ہے،اور ان ہی دونوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دور انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔اسی لیئے قرآن مجید بیوی بچوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتے ہوئے ان کی طلب کو اپنے خاص بندوں کی خصوصی دعاؤں کا حصہ قرار دیتا ہے۔وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ (4)۔ ،،اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔،،

1۔الروم21۔

2۔الرعد38۔

3۔البقرہ187۔

4۔الفرقان74۔

رشتہ ازدواج اللہ تعالی کی وہ عظیم نعمت ہے جس کی ناقدری سے بچنا اور اس نعمت پر اللہ کا شکر گذار ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی کی طرف سے دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

،،(قیامت کے دن) بندہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالی اس سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھے سرداری نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تمہیں رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے لیئے اونٹ اور گھوڑے مسخر نہیں کیئے تھے؟ کیا میں نے تمہیں ریاست اور عیش و آرام کے لیئے آزاد نہیں چھوڑا تھا؟ بندہ جواب دے گا یقینا میرے پروردگار، پھر اللہ پوچھے گا کیا تمہیں میری ملاقات کا یقین تھا؟ بندہ کہے گا نہیں، تو اس سے کہا جائے گا میں آج تجھے بھی اسی طرح فراموش کردوں گا جس طرح تو نے مجھے فراموش کردیا تھا۔،،(1)۔

نکاح سے دوری اور رہبانیت کی اسلام میں حوصلہ شکنی کرنے کے ساتھ ساتھ بھرپور ازدواجی زندگی گذارنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور زوجین کے رشتہ کی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید کی سورۃ النساء، سورہ مائدہ، سورہ نور اور دیگر مقامات پر جابجا خانگی زندگی کے استحکام کے لیے شوہر اور بیوی کو اصول ہدایات دی گئی ہیں۔ نیز اسلام نے نکاح کو پاکیزگی کی علامت اور زوجین کو ایک دوسرے کیلیئے لازم وملزوم قرار دے کر اس کے بارے میں تفصیلی احکامات دیے ہیں۔ اور اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،اپنے مردوں کو سورہ مائدہ اور اپنی عورتوں کو سورہ نور سکھاؤ۔،،(2)۔

نکاح کی شرعی حیثیت:

اسلام میں عائلی زندگی کی تشکیل اور قیام خاندان کے لیئے نکاح کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث میں مہر اور نان نفقہ کی استطاعت رکھنے والے آدمی کیلیئے نکاح کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

1۔ مسلم، ابوالحسن القشیری، مسلم بن حجاج، م261ھ۔ صحیح مسلم۔ محقق محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء التراث، ت۔ن، کتاب الزہد والرقاق، ج4 ص2272 حدیث: 2968۔

2۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی الخراسانی، م458ھ۔ شعب الایمان۔ محقق ڈاکٹر عبدالعلی بن عبدالحمید حامد، ریاض: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، طبع اول 1423ھ، 2003ء، باب ذکر سبع الطوال، ج4 ص77 حدیث: 2205۔

،،نکاح میری سنت ہے، تو جو میری سنت پر عمل نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں، اور نکاح کرو، میں اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔ اور جو کوئی صاحب استطاعت ہو تو وہ نکاح کرے، اور جو (مہر اور نان نفقہ کی) استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ با کثرت روزے رکھے، یہ اس کے لیئے (گناہ سے) بچاؤ کا ذریعہ ہے۔(1)۔

نکاح کو اسلام میں بہت اہمیت دی گئی ہے اور یہ انسانی معاشرے کی بہت قدیم اور اولین ضرورت ہے چنانچہ آپ ﷺ نے نکاح کو تمام انبیاء کرام کی سنت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

،،چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں، حیا، خوشبو، مسواک اور نکاح،،۔(2)۔

سنن ترمذی کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ سے بغیر نکاح زندگی گزارنے کی ممانعت منقول ہے۔

،،عن سمرة ان النبی ﷺ نهی عن التبتل۔،،(3)۔

نہ صرف یہ کہ حضور ﷺ نے بغیر نکاح رہنے کی ممانعت کی ہے بلکہ اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ عکاف بن بشیر تمیمی رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا، عکاف تمہاری کوئی بیوی بھی ہے؟ عکاف نے کہا نہیں، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کوئی باندی؟ اس نے کہا نہیں، نبی کریم ﷺ نے پوچھا تم مالدار بھی ہو؟ عرض کیا جی الحمد للہ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو، اگر تم عیسائی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار ہوتے۔ لیکن ہماری سنت تو نکاح ہے، تم میں سے بدترین لوگ کنوارے ہیں، اور گھٹیا ترین موت مرنے والے کنوارے ہیں، کیا تم شیطان سے لڑتے ہو؟ شیطان کے پاس نیک آدمیوں پر عورتوں سے زیادہ کوئی کارگر ہتھیار نہیں سوائے اس کے کہ وہ شادی شدہ ہوں، یہی لوگ پاکیزہ اور گندگی سے مبرا ہوتے ہیں، عکاف یہ عورتیں تو ایوب، داؤد، یوسف اور کرسف (علیہم السلام) کی ساتھی رہی ہیں۔ بشر بن عطیہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ کرسف کون ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک آدمی تھا

1۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، م 273ھ۔ سنن ابن ماجہ۔ محقق محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی، ت۔ن، باب ما جاء فی فضل النکاح، ج 1، ص 592، حدیث 1845۔

2۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، م 279ھ۔ سنن الترمذی۔ تحقیق و تعلیق احمد محمد شاکر، محمد فواد عبدالباقی، ابراہیم عطوہ عوض، مصر: شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، طبع ثانی 1395ھ۔1975ء، باب ما جاء فی فضل التزویج والحث علیہ، ج 3 ص 383، حدیث 1080۔

3۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی النھی عن التبتل، ج 3 ص 385، حدیث 1082۔

جس نے کسی ساحل پر تین سو سال اللہ کی عبادت کی دن کو روزہ رکھتا اور رات کا قیام کرتا، لیکن پھر ایک عورت کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کے ساتھ کفر کر بیٹھا اور اللہ کی عبادت بھی چھوڑ دی، بعد میں اللہ نے اس کی دستگیری فرمائی، اور اس کی توبہ قبول فرمائی۔ ارے عکاف تم نکاح کر و ورنہ تم تذبذب کا شکار رہو گے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ خود ہی میرا نکاح کر دیجیے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے کریمہ بنت کلثوم حمیری سے تمہارا نکاح کر دیا۔،،(1)۔

نکاح اور مقاصد شریعت:

رشتہ ازدواج مقاصد شریعت میں سے ہے، کیوں کہ اس کے بغیر انسان مکمل معاشرتی و سماجی زندگی گذارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس بنیادی تعلق کی وجہ سے نسل انسانی کا تسلسل قائم رہتا ہے بچے پیدا ہوتے ہیں تو یہی زوجین والدین کا روپ دھار لیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں ان کی شادیاں ہوتی ہیں تو پھر نئے ازدواجی رشتے بنتے ہیں، نئے کنبے اور خاندان وجود میں آتے ہیں، خونی رشتے پھیلتے ہیں تو یہی وحدت معاشرے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے احادیث اور فقہ کی کتب میں اس کے مختلف پہلوؤں پر ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اور اہل علم نے اسے موضوع بنا کر اس پر ایسی کتب، رسائل اور مقالہ جات بھی تحریر کیے ہیں جن میں ازدواجی زندگی کے اسلامی احکامات کو واضح کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں۔

،،اسلام کا ادارہ ازدواج ایک جامع نظام ہے۔ اس میں نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار اور لعان وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی ہر شق انسانی مزاج اور اس کی فلاح کے عین مطابق ہے۔ یہ ادارہ ازدواج انسانی اجتماعیت کی بنیاد ہے۔ اگر اس کی تنظیم صحیح طریقہ پر ہو تو یوں سمجھئے کوئی معاشرتی فساد رونما نہیں ہو گا۔ اور اگر اس کی تنظیم میں خرابی ہے تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔ اسلام نے ادارہ ازدواج کی تنظیم اور اس کی حفاظت کے لیئے مفصل نظام دیا ہے جس میں اخلاقی اور قانونی اصولوں کو غیر مبہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کے تعلق کو معاشرتی قدر کے طور پر قانونی اور اخلاقی تحفظ دیا۔ اس رشتے کو معاشرے میں قبولیت کا درجہ دینے کیلیے نکاح کی صورت دی، جو ایک اعلانیہ معاہدہ ہے جسے قانونی اور اخلاقی قبولیت حاصل ہے، اور معاشرے نے اسے اسی طرح قبول کیا ہے۔ پھر اس تعلق کے آداب اور غیر ذمہ دارانہ اظہارات کے خطرات سے آگاہ کیا۔،،(2)۔

1۔ ابن حنبل، ابو عبداللہ احمد بن محمد الشیبانی، م241ھ۔ مسند احمد بن حنبل۔ محقق شعیب، عادل مرشد وغیرہ، مؤسسۃ الرسالہ، طبع اول1421ھ، 2001ء، حدیث فضل الکاح، ج1ص592، حدیث 21450۔

2۔ خالد علوی، ڈاکٹر۔ اسلام کا معاشرتی نظام۔ لاہور: الفیصل اردو بازار، ت۔ن، ص167۔

عقد نکاح کی اسلامی حیثیت اور زمانہ جاہلیت کا طرز عمل:

کسی عاقل بالغ مرد اور عورت کا باہمی رضامندی سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کا معاہدہ شرعی اصطلاح میں نکاح کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس شرعی تعلق کی مضبوطی کو بیان کرنے کے لیئے نکاح کے معاہدے کو مِيثَاقًا غَلِيظًا (1)۔ (پختہ عہد) کہا گیا ہے۔

مرد وعورت کا کسی جائز قانونی معاہدے کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ قدیم تمام ہی مذاہب میں نکاح یا اس جیسے کسی جائز قانونی معاہدے کے بغیر مرد وعورت کا جنسی تعلقات قائم کرنا قابل گرفت سمجھا گیا ہے، اور اس کے لیئے جائز قانونی راستہ اختیار کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ اور بغیر کسی مروجہ قانونی یا مذہبی طریقہ کے مرد وعورت کے جنسی اختلاط کی کسی مہذب معاشرہ میں کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ سید مودودیؒ رقمطراز ہیں۔

،، نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے، اور آج کل کے حکماء وعقلاء پریشان وسرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں مرد وعورت کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے۔ کیوں کہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے۔ اور تکمیل انسانیت کیلیئے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔،، (2)۔

رشتہ ازدواج مرد وعورت کی طبعی وفطری ضرورت ہونے کے ساتھ دونوں کی عزت وناموس کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے۔ اس رشتہ میں دونوں کا کردار اور اہمیت مسلم ہے۔ اسلام کی رو سے نکاح ایک مقدس فرض بھی ہے، اس لیئے اسلام اسے کھیل تماشہ بنانے، سمجھنے اور محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ قرار دینے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی ان رسومات کی حوصلہ شکنی کی جو نکاح کو محض جنسی خواہشات کا ذریعہ گردانتی تھیں۔ اسلام سے پہلے کی بعض تہذیبیں نکاح کے معاملے میں افراط وتفریط کا شکار تھیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اپنے دور میں انتہائی متمدن اور ترقی یافتہ کہلانے والی یونانی، رومی، ایرانی، مصری، ہندوستانی اور عرب تہذیبیں بھی نکاح کے معاملہ میں اعتدال سے ہٹی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض میں شادی بیاہ کے ایسے نازیبا طریقے رائج تھے کہ انھیں نکاح کہنا ہی درست معلوم نہیں ہوتا، بلکہ انھیں جنسی بھوک مٹانے کا ذریعہ کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے۔ اسی صورتحال کی ایک جھلک قدیم عرب معاشرے کی اس شرمندہ کردینے والی صورتحال میں نظر آتی ہے جس کا نقشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں کھینچا ہے۔

1۔ النساء 21۔

2۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ پردہ۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 2002ء، ص 10۔

،،حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھانے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں چار طرح کا نکاح ہوتا تھا،ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر)آج بھی رواج میں ہے، کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے کسی آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر سرپرستی کسی لڑکی کے لیئے نکاح کا پیغام بھیجا جاتا تھا، پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی کے ساتھ کر دیتا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہو جاتی تو شوہر خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو فلاں آدمی کو بلا کر اس کے ساتھ مباشرت کرلے، پھر وہ خود کچھ عرصہ اس سے علیحدہ رہتا اور اسے ہاتھ نہ لگاتا تھا یہاں تک کہ وہ دوسرے آدمی سے حاملہ ہو جاتی، پھر اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس لیئے کرتا کہ بچہ نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اسے نکاح استبضاع کہا جاتا تھا کہ اور تیسرا طریقہ یہ تھا کہ دس سے کم آدمیوں کی ٹولی ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک باہمی رضامندی کے ساتھ اس کے ساتھ صحبت کرتا، پھر اگر وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہو جاتا تو چند روز بعد وہ ان سب کو بلواتی اور (دستور کے مطابق) کسی کے لیئے بھی یہ گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے، اس لیئے وہ سب پہنچ جاتے تو وہ کہتی جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے، اور میرے ہاں یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی، اے فلاں یہ تیرا بچہ ہے، پھر وہ اسی کا مان لیا جاتا اور وہ آدمی انکار نہ کر سکتا تھا۔ چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت کے ساتھ بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا تھا کسی کے لیئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، یہ پیشہ ور طوائف ہوتیں، ان کے گھروں کے دروازوں پر بطور علامت ایک نشان نصب ہوتا تھا، جو کوئی چاہتا ان کے ان کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ ان میں سے کسی کو حمل ہو جاتا تو اس سے جنسی تعلق رکھنے والے سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہر بلائے جاتے، پھر وہ اس بچے کو جس کے نطفے سے سمجھتے اس کا بچہ قرار دے دیتے، اور بس وہ اس کے ساتھ چپک جاتا اور اس کا بچہ کہلاتا، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔،،(1)۔

اس روایت میں قدیم عرب تہذیب کی جو منظر کشی کی گئی ہے اس میں جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیئے بدکاری کا عنصر زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی معاشروں میں زنا کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہ تھی، اور اس کی سزا کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

مغرب کا زوال پذیر خاندانی نظام اور اسلامی طرز خاندان:

آج بھی مغرب میں ز دواجی زندگی کو وحی کی تعلیمات سے علی الرغم اپنے افکار اور فلسفوں پر استوار کرنے کی وجہ سے جہاں

1۔ بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ محقق محمد زہیر بن ناصر، دار الطوق النجاۃ، 1422ھ، باب من قال لا نکاح الا بولی، ج7 ص15، حدیث 5127۔

ملکی طرف بدکاری اس حد تک عام ہو چلی ہے کہ دستاویزات پر بچے کے والد کے بجائے والدہ کے نام کا اندراج کروانا کوئی معیوب عمل متصور نہیں کیا جاتا تو دوسری طرف خاندان کا ادارہ تباہی کے دھانے پر جا پہنچا ہے۔ آج مغرب میں عائلی زندگی اتنی بری طرح متاثر ہو چکی ہے کہ غیر شادی شدہ عورت کا ماں بن جانا کوئی قطعاً مضائقہ عمل نہیں گردانا جاتا قرآن مجید میں نکاح کو احصان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حصن قلعہ کو کہتے ہیں، اور احصان قلعہ بندی کو کہا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے مرد کو محصن اور نکاح کرنے والی عورت کو محصنہ کہا جاتا ہے، یعنی نکاح کرنے والا مرد او عورت اس قلعہ میں محفوظ ہو گئے ہیں جو ان کے نفس اور اخلاق کی حفاظت کے لیئے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس استعارے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا بنیادی مقصد اخلاق اور عزت کا تحفظ ہے۔ زوجین کا رشتہ محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ نسل انسانی کی بقاء و تسلسل کے لیئے بھی ضروری ہے۔ اسلام کی رو سے مغرب میں تیزی کے ساتھ رواج پانے والی ہم جنس پرستوں کی شادیاں بھی اسی لیئے جائز نہیں کہ یہ محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا غیر فطری راستہ ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے حصول اولاد اور انسانی نسل کے تسلسل کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ مرد و عورت کا نکاح تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا حسن ہے کہ اس نے تو ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (1)۔

،، پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کیئے ہیں، اس پیدوار کے بھی جو زمین اگاتی ہے، اور خود انسانوں کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جنھیں یہ لوگ ابھی تک جانتے بھی نہیں ہیں۔ ،،

آج مغرب میں خاندانی نظام جس تیزی سے روبہ زوال ہے اس کی بنیادی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسانی حقوق اور آزادی کے نام پر ہوس پرستی کو فروغ مل رہا ہے۔ اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیئے نکاح کے مستقل زندگی گزارنے کے معاہدے کو بوجھ متصور کر کے وقتی تلذذ کی راہیں تلاش کر کر کے انھیں قانونی جواز مہیا کیا جا رہا ہے۔ وقتی اور غیر فطری تلذذ کے بر عکس نکاح کا تعلق چونکہ مرد و عورت کے درمیان مل کر خانگی زندگی گذارنے کا ایک مکمل معاہدہ ہے اس لیئے اس میں دونوں کی رضامندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ باہمی رضامندی کے بنا ساری زندگی اکٹھے گزارنے کا عہد کرنا دانش مندی نہیں ہے اس لیئے مردوں کی رضامندی کو اہم قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (2)۔

،، تو تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ ،،

1۔ یٰسین۔۔ 36۔

2۔ النساء 3۔

اسلام نے نکاح کے معاہدے میں صرف مرد کی پسند نا پسند کو لازمی نہیں قرار دیا بلکہ عورتوں کی رضامندی کو بھی لازم کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا (1)۔

،،اے ایمان والو تمہارے لیئے حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبر دستی وارث بن بیٹھو۔،، فقہ اسلامی کے مطابق جو آدمی مہر اور نان نفقہ ادا کر سکتا ہو اس کے لیئے نکاح کرنا عام حالات میں سنت مؤکدہ ہے، لیکن اگر شہوانی جذبات غلب ہو جائیں تو پھر نکاح کرنا علیہ ہو جاتا ہے۔،،(2)۔ بعض فقہاء نے نکاح کو سنت مؤکدہ قرار دینے کے ساتھ ساتھ اسے نفلی عبادات سے بالا جماع افضل قرار دیا ہے، اور اس پر احادیث سے بہت سے دلائل بھی پیش کیئے ہیں۔(3)۔

خاندان کے لوازمات:

مرد اور عورت، خاوند اور بیوی، پھر ماں اور باپ پھر بچوں کی پیدائش اور ان کی شادیاں یہ سب ایک گھرانے کے تکمیلی مراحل ہیں اور یہ تمام ہی مراحل خاندان کی مکمل تشکیل میں بنیادی اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ خاندان کے لوازمات سے مراد وہ وہ اہل قرابت ہیں کہ جو بیوی اور خاوند کے ساتھ انتہائی قریبی تعلق رکھتے ہیں، اور یہ دونوں کے لیئے انتہائی اہم اور حق دار بھی ہوتے ہیں یہ عموماً ازدواجی زندگی پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں اور زوجین کی زندگی، ان کی علیحدگی اور موت وغیرہ کی صورت میں ان کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوتی ہیں یوں تو ان کی فہرست طویل ہے لیکن یہاں ان میں سے انتہائی اہم یعنی والدین، اولاد، بہن بھائی، ساس سسر، داماد بہو اور بھابھی و بہنوئی کو یہاں خاندان کے لوازمات میں شامل کیا گیا ہے۔

1۔اولاد:

خاندانی نظام کے تمام اجزاء اور اکائیاں باہم مربوط ہیں۔ زوجین کا رشتہ محض مرد و عورت کے ملاپ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ

1۔النساء19۔

2۔البارعی، عثمان بن علی بن محجن فخر الدین الزیلعی الحنفی، م743ھ۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیہ الشلبی۔ قاہرہ: المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ، بولاق، طبع اول1413ھ، باب شروط النکاح وارکانہ، ج2ص95۔

3۔المنبجی، جمال الدین ابو محمد علی بن ابی یحییٰ زکریا بن مسعود الانصاری الخزرجی، م686ھ۔ اللباب فیما الجمع بین السنۃ والکتاب۔ محقق محمد فضل عبد العزیز المراد، دمشق: دار القلم، الدار الشامیہ، طبع ثانی1414ھ، 1994ء، باب الاشتغال بالنکاح افضل من التخلی لنوافل العبادات، ج2ص651۔

بندھن ہے جس سے ان دونوں کی آزاد زندگی پر نکاح کی بیڑیاں لگنے سے ذمہ داریوں کا طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے جوان کی موت تک جاری رہتا ہے۔ اولاد کی پیدائش کے بعد ان کی ذمہ داریوں میں کئی نئے باب کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے خاندانی قبیلہ میں نئے افراد کا اضافہ کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے چھوٹے سے خاندان میں نئے ارکان کے شامل ہونے سے انھیں جہاں تسکین ملتی ہے وہیں ان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ زوجین کے ہاں اولاد کی پیدائش انسانی نسل اور اقدار کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے۔ اولاد انسانی شخصیت کی توسیع اور اس کی خصوصیات کا بہترین مظہر ہوتی ہے۔ فطری طور پر ہر انسان اولاد کی خواہش رکھتا ہے کیونکہ یہ اس کی نسل کی بقاء، رنج و غم میں اس کی معاون، روحانی تسکین کا ذریعہ اور اس کے مقصد حیات کی تکمیل میں اس کی مددگار ہوتی ہے۔ زوجین اگر خاندان کی بنیادی اکائی ہیں تو اولاد اس کا نتیجہ ہے گویا زوجین افزائش نسل سے معاشرے کی صورت گری کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں۔

،،بچے تو اور بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ نہ صرف والدین کی شخصی توسیع ہیں بلکہ وہ معاشرے کے ارتقاء اور اس کی متحرک زندگی کا عکس ہیں، آج کی اولاد کل کے والدین ہوتی ہے اور آج کے بچے کل کے جوان اور بزرگ ہوتے ہیں۔،،(1)۔ ادارہ خاندان میں اولاد کی حیثیت اس لیئے بھی کلیدی ہے کہ یہ اس ادارے کا اصلی مقصد اور نصب العین ہے۔ اسی کی وجہ سے نوع انسانی کے تسلسل کی ذمہ داری پوری ہوتی ہے اور یہی وہ ذمہ داری اور فرض ہے جو یہ ادارہ صدیوں سے انجام دے رہا ہے۔ اسی پس منظر میں قرآن مجید اولاد کو نعمت عظمیٰ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (2)۔

،،اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیئے بیویاں بنائی ہیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیئے بیٹے اور پوتے پیدا کیے ہیں۔،،

اولاد والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہوتی ہے اس لیئے اولاد کی پرورش تربیت اور تعلیم کو والدین کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے اور اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتائی دراصل امانت میں خیانت ہے۔ اولاد کے ذریعہ خاندان اور معاشرے کے تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کو اگلی نسلوں تک منتقل کیا جاتا ہے، اس میں اسلام کا خصوصی کردار یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ کہ اولاد کی تربیت محض دنیا کی ضرورت اور مجبوری ہی نہیں بلکہ یہ ایک مسلمان کا دینی فرض بھی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

،،عائلی زندگی معاشرے کا وہ پتھر ہے جس پر تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوئی ہے رسول اکرم ﷺ کا امتیازی کردار یہ

1۔ خالد علوی، پروفیسر ڈاکٹر۔ اسلام میں اولاد کے حقوق۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 2007ء، ص 4۔

2۔ النحل 72۔

ہے کہ آپ نے امت میں یہ شعور پختہ کیا کہ اولاد کی تربیت صرف مادی اور دنیاوی نقطہ نظر سے نہ کی جائے بلکہ یہ خیال بھی مد نظر رہے کہ اس کے ساتھ اخروی جوابدہی وابستہ ہے۔،،(1) ۔

قرآن مجید میں جا بجا اپنی اولاد کی تربیت اور نگرانی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے چنانچہ ایک مقام پر فرمایا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (2)۔

،،اے ایمان والو اپنے اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔،،

اسلامی تعلیمات میں زوجین کو والدین کی حیثیت سے اولاد میں بیٹوں اور بیٹیوں میں عدم تفریق کا پابند بنایا گیا ہے۔اولاد میں چاہے بیٹے ہوں یا بیٹیاں یا دونوں یہ تقسیم اللہ کی قدرت کی نشانی ہے جسے کوئی اپنی مرضی سے بدل نہیں سکتا اس لیئے ان کے ساتھ برابری برتنا، انھیں پرورش اور تربیت کے برابر مواقع دینا، شفقت و محبت، عدل و انصاف اور حسن سلوک میں برابری کرنا لازمی ہے۔اسلام بچوں کو پیدائش سے قبل ماں کے پیٹ سے ہی بہت سے حقوق دے دیتا ہے مثلاً زندگی، وصیت، وراثت اور وقف وغیرہ۔ عصر حاضر میں آزادی اور حقوق کے دلفریب نظریات سے جو سوچ جنم لے رہی ہے اس نے تو خاندانی نظام کے حصے ہی بخرے کر دیے ہیں، خاندانوں میں رائج عمدہ روایات دم توڑ رہی ہیں، اور وحی کی تعلیمات سے ماوراء تشکیل پانے والے نظام میں کوئی بھی اپنی عائلی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونے کے لیئے تیار نہیں ہے۔اولاد کے جنجھٹ اور ان کی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے بغیر نکاح کے جنسی تعلقات اور ہم جنس پرستی پر مبنی شادیوں کو قانونی راستے فراہم کیئے جا رہے ہیں۔اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو والدین اس کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانے کے بجائے انھیں بے بی ڈے کیئر سنٹرز میں ڈال دیتے ہیں جہاں وہ ممتا کے پیار اور پدری شفقت سے محرومی کے ساتھ ساتھ اچھی پرورش اور عمدہ تربیت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

2۔والدین:

زوجین کے ہاں جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو یہی زوجین والدین کا روپ دھار لیتے ہیں اور والدین بیوی خاوند کا سب سے اچھا روپ ہوتے ہیں۔اور زوجین کا یہ روپ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے حسن انتظام کا عکس ہے۔والدین کے بنا کوئی خاندان

1۔ تقی عثانی، مفتی جسٹس (ر)۔ خاندانی حقوق و فرائض۔ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ت۔ن، ص156۔

2۔التحریم 6۔

مکمل نہیں ہو سکتا۔ خاندان اور معاشرے دونوں کی بقا والدین پر منحصر ہے انسان کیلئے والدین کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیئے کہ انسان کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہیں لیکن اس کے دنیا میں آنے کا سبب اس کے والدین بنتے ہیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک عائلی اور معاشرتی خوبی ہے جس کے ہونے اور نہ ہونے کے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خاندان میں والدین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس لیے ان کے ساتھ حسن سلوک خاندان اور معاشرے کو ایثار ہمدردی اور انس و محبت کے جذبات عطا کرتا ہے، ان کی اطاعت واحترام معاشرے میں ہم آہنگی ایک جہتی پیدا کرتی ہے۔ والدین کے حقوق کی عدم ادائیگی اور بد سلوکی کے نتیجہ میں نافرمانی کی فضا عام ہو جاتی ہے جس سے جذبہ اطاعت ختم ہو کر آزاد خیالی وجود میں آتی ہے، اور وہ ماحول بنتا ہے جس میں قانون، احکام اور اخلاقیات کی پاسداری نہیں کی جاتی۔ ڈاکٹر خالد علوی رقمطراز ہیں۔

،،والدین عزت و شرافت کا معیار ہیں۔ والدین کی عزت واحترام اٹھ جانے سے شرافت کی عام قدریں مٹ جائیں گی، آنکھوں سے حیا اور دلوں سے ادب مٹ جائے گا، خود غرضی وخود سری کی لعنتیں معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور وہ اجتماعی سکون سے محروم ہو جائے گا، ایسے معاشرے کو انسانی معاشرے کے بجائے حیوانوں کا انبوہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔،،(1)۔

محبت کا معیار:

دنیا میں انسان کے جتنے بھی رشتے، محبتیں اور تعلقات ہیں ان سب میں اس کی غرض اور ضرورت وابسطہ ہوتی ہے لیکن والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ محبت بے غرض ہوتی ہے۔ والدین کی اولاد کے ساتھ محبت کا رشتہ بے مثال ہے چنانچہ جس طرح سائنس و ٹیکنالوجی میں گھوڑے کی طاقت کا معیار مان کر مشین کی طاقت - اسی کے حساب سے معلوم کی جاتی ہے، جسے ہارس پاور کہتے ہیں، اسی طرح اللہ نے ماں کو محبت کا معیار جان کر بندے کے ساتھ اپنی محبت کا بیان کرنے کیلئے فرمایا میں اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہوں قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت -- اور عبادت کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک ہے اسی طرح ہر شخص کے والدین بھی ایک ہی ہوتے ہیں۔ نیز قرآن مجید میں بیان کردہ حقوق کی ترتیب میں بھی والدین سب سے مقدم ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

1۔خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، 223۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (1)۔

،،اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، نیز رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں قریب والے پڑوسی دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص، اور راہگیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ کرو)۔،،

اسلامی عائلی نظام میں والدین کو خاندان کے اہم فرد کے طور پر پیش کیا گیا ہے، والدین کی نافرمانی کو خاندانی نظام کے استحکام کی راہ میں خطرہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اس طرز عمل سے منع کیا گیا ہے جو کسی بھی طرح خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ کا سبب بنے قرآن کریم میں جا بجا، بر الوالدین،، کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے دراصل یہ ایک جامع کلمہ ہے اس میں ہر قسم کی خیر اور پسندیدہ امور شامل ہیں یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان کا احترام، ان کے سامنے ادب کے ساتھ پیش آنا، ان کے لیئے اپنا مال خرچ کرنا، ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ان کے جائز پسندیدہ امور کو بجالانا، ان کی ناپسندیدگی و نافرمانی سے اجتناب کرنا، انھیں کسی قول و فعل سے اذیت نہ دینا وغیرہ۔ چونکہ والدین خاندان کے لوازمات میں شامل ہیں لہذا ہر شخص کی آمدنی میں اس کے والدین کا باقاعدہ حصہ مقرر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ والدین کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت ہے اس لیئے کہ والدین کی کفالت تو اولاد کی بنیادی ذمہ داری ہے لہذا ان کی امداد مال زکوٰۃ کے بجائے اپنے اخراجات ضروریہ کی طرح کرنا لازمی ہے۔ شادی کے بعد زوجین کو ایک نئے خاندان کی تشکیل کے لیئے الگ رہائش کا حق تو دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی والدین کے حقوق کی ادائیگی، ان کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا پابند بھی بنایا گیا ہے۔

اگر والدین سے الگ رہائش کی صورت میں والدین کا کوئی اور خبر گیری کرنے والا نہ ہو تو بیٹے کے ذمہ لازمی ہے کہ وہ اس کا بندوبست کرے۔ شادی کے بعد علیحدہ رہائش کے حق کے باوجود والدین کا حق سرپرستی ختم نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ والد کو اپنی اولاد کا سرپرست بیان کرتے ہوئے حدیث میں قیامت کے روز اس سے اس کی ان ذمہ داریوں کی بابت سوال کیے جانے کا ذکر ہے۔

،،تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی بابت بازپرس ہوگی۔ امیر نگران ہے، اور شوہر اپنے اہل خانہ پر نگران ہے، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران ہے، تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی بابت۔

1۔ النساء 36۔

بازپرس کی جائے گی۔،،(1)۔

قرآن وسنت میں والدین کو قانونی واخلاقی دو طرح کے حقوق سے نوازا گیا ہےاوران حقوق کی ادائیگی کو خاندان اور معاشرے کی صحت مند بقاء کیلئے لازمی بتایا گیا ہے۔اور والدین کو میراث کا حق دار قرار دے کران کی خانگی حیثیت اور حقوق کواور بھی پختہ بنادیا گیا ہے۔والدین کی نافرمانی کو حرام قرار دیا گیا ہےاور یہ بتایا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنا مکافات عمل میں سے بھی ہے جس کی سزا اس دنیا میں بھی ان کواس کی اولاد کی جانب سے بھگتنا پڑتی ہے۔

3۔بہن بھائی:

خاندانی زندگی میں ان کے باہمی روابط کی حیثیت اس سلسلے کی سی ہوتی ہے جس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔بہن بھائی اگرچہ خاندان کا بنیادی حصہ نہیں ہوتے لیکن والدین کی وجہ سے ان کے ساتھ جو خصوصی نسبی تعلق ہوتا ہے اسے کسی طور نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔اور مشرقی طرز زندگی میں تو بہت سے گھرانوں میں انھیں خاندان کا لازمی حصہ متصور کیا جاتا ہے۔اسی لیئے بعض علمائے معاشرت نے خاندانی نظم میں بہن بھایوں کو بھی شامل رکھا ہے اس لیئے کہ خاندان کے ارتقاء،وسعت،استحکام اور انتشار کادارومدار بڑی حد تک ان پر ہوتا ہے۔بھائی کا بھائی سے فطری طور پر ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس تعلق کی پختگی کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہوئے ساری امت کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔اور پھر یہ کہ یہ ایک دوسرے کی عائلی زندگی پر اچھی یا بری طرح اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں بھی ہوتے ہیں اس لیئے اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ ایک خاندان کے لوازمات میں شمار کیئے جاتے ہیں اور ان کے حقوق کا ادا کرنا یا نہ کرنا خانگی اور معاشرتی زندگی پر اچھے یا برے اثرات ڈالتا ہے۔بہن بھائیوں کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنا اس لحاظ سے بھی لازمی ہے کہ ان کے ساتھ قطع رحمی کے منفی اثرات بجائے خود عائلی زندگی پر بھی پڑتے ہیں،اوران کے ساتھ چپقلش سے خانگی نظام برباد ہو جاتا ہے نیز قطع رحمی کرنے والا رحمٰن کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے،چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،رحم(نسبی رشتہ) رحمٰن سے لیا گیا ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے تجھے ملایا میں اس سے ملوں گا اور جس نے تجھے نہ ملایا میں اس سے نہیں ملوں گا۔،،(2)۔

1۔ صحیح بخاری،باب المراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا،ج7ص31،حدیث 5200۔

2۔ صحیح بخاری،باب من وصل وصلہ اللہ،ج8ص6،حدیث 5988۔

قرآن وسنت نے رشتے کے لحاظ کو صلہ رحمی اور اسے نظرانداز کرنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا ہے۔ اور قطع رحمی کو فساد فی الارض قرار دیتے ہوئے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا کا حق دار قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (1)۔،، جو اللہ کے ساتھ وعدہ کر کے توڑتے ہیں، اور اللہ نے جسے جوڑنے کا کہا ہے اسے توڑتے ہیں، اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔،، جس خاندان کے لوگ اپنے خونی رشتوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ معاشرے کے دیگر افراد کا خیال کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف معاشروں میں بہن بھائیوں کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے، اور کئی مذہبی اور غیر مذہبی معاشروں میں انہیں خاندانی نظم کے اہم عنصر کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ دین اسلام میں تو اس بارے میں خصوصی احکامات موجود ہیں اور بہن بھائیوں کے ساتھ تعلقات استوار رکھتے ہوئے ان کے عائلی حقوق کی ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس رشتے کو نظرانداز کروانے کا سبب بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ ،،ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ماں و بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی کرانے والے پر لعنت کی۔،،(2) قرآن مجید میں والدین کے بعد عزیز و اقارب کو حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا ہے اور اقارب میں سب سے پہلا درجہ بہن بھائیوں کا ہے۔ حسن سلوک انسانی رویوں کا بہترین مظہر ہے اس سے دلوں میں محبت وعقیدت اور احترام ولحاظ پیدا ہوتا ہے۔ اور اچھے روابط کے لیئے ضروری ہے کہ حسن سلوک رواج پائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ (3)۔

،،اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اہل قرابت کے ساتھ۔،،

اسلام میں بہن بھائیوں اور دیگر اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کو واجب اور قطع رحمی کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اس سلسلے میں ساری اسلامی تعلیمات کا خلاصہ قاضی عیاضؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

،،اس بات میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی کا مرتکب کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں متعدد احادیث اس باب میں اس بات کی شہادت دیتی ہیں۔ لیکن صلہ رحمی کے مختلف درجات ہیں ہر درجہ دوسرے سے مختلف وجوہات کی بنا پر اپنا مقام آپ ہے۔ قطع تعلق کو ترک کرتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب سے

1۔البقرہ27۔

2۔سنن ابن ماجہ، باب ما یرجیٰ من رحمۃ اللہ یوم القیامہ، ج2ص1435، حدیث 2250۔

3۔البقرہ83۔

ملاقات کرنا اگرچہ سلام و دعا ہی کیوں نہ ہو صلہ رحمی کی ایک صورت ہے۔،،(1)۔

اسلامی نظام وراثت میں بہت سی صورتوں میں بہن بھائیوں کو وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور ان کی مالی حیثیت کمزور ہو تو ان کی مالی اعانت کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔

4۔ سسرال:

سسرال اگرچہ خاندان کا بنیادی حصہ نہیں ہوتے لیکن زوجین کے ساتھ انتہائی قریبی نسبی تعلق کی وجہ سے ان دونوں کی عائلی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اس لیئے انھیں خاندان کے لوازمات میں شمار کیا گیا ہے۔ مرد و عورت پر اپنے سسرال کے رشتوں اور ان کے حقوق کی ادائیگی اس لیئے بھی لازمی ہے کہ اس سے ان دونوں کے درمیان عائلی زندگی میں استحکام اور دوام پیدا ہوگا کیونکہ فطری بات ہے کہ کوئی بھی ازدواجی زندگی کی خاطر اپنے خونی رشتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا لہذا ایک دوسرے کے خونی رشتوں کا احترام اور ان کے حقوق کی ادائیگی ان کی گھریلو زندگی میں محبتوں اور سکون کا اضافہ کرے گی۔ اسی طرح سسرال پر اپنے داماد اور بہو کے حقوق کی ادائیگی اور عدم ادائیگی بھی عائلی زندگی پر اچھی یا بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ سسرالی رشتے بھی نسبی رشتوں کی طرح اہم ہیں یہ دونوں انسان کی بنیادی ضرورت نکاح کے اظہار کا نام ہیں۔ دونوں ہر گھر کی بنیادی ضرورت اور نسل انسانی کی بقا کے امین ہیں۔ نیز یہ کہ سسرال زوجین کے بچوں کے ننھیال اور ددھیال بھی ہوتے ہیں اس لیئے ان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے سسرالی رشتوں کو بھی نسبی رشتوں کی طرح یکساں اہمیت دے کر ایک ہی پیرائے میں اپنی قدرت کی نشانی اور نعمت و احسان کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا (2)۔،، اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لیئے نسبی اور سسرالی رشتے بنائے۔،، نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو فتح مصر کی نوید سناتے ہوئے ایک طویل حدیث میں سسرال کے حقوق کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا۔،، تم لوگ عنقریب مصر فتح کروگے جہاں قیراط کا رواج ہوگا۔ تم اسے فتح کرو تو وہ وہاں کے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا تم پر حق ہے ان کا تم سے دامادی اور رحم کا رشتہ بھی ہے۔،،(3)۔

1۔ النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج۔ باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا، ج16 ص113۔ 2۔ الفرقان 54۔

3۔ صحیح مسلم، باب وصیۃ النبی ﷺ باھل مصر، ج4 ص1970، حدیث 2543۔

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ دونوں کا تعلق مصر سے تھا اس لیئے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس رشتے کی لاج رکھنے کا حکم دیا۔ دور کے سسرالی رشتوں کے احترام کا یہ عالم ہے تو نزدیک کے سسرالی رشتوں کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کے اپنے سسرال کے ساتھ تعلقات انتہائی اچھے تھے اور سسرال میں بھی آپ ﷺ کا بہت احترام تھا یہی وجہ ہے کہ۔ آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ (رض) آپ ﷺ کو لیکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں تو ورقہ نے پورا واقعہ سننے کے بعد فرمایا۔

،،یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ کے پاس وحی لیکر آتا تھا کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا۔ آپ کو آپ کی قوم وطن سے نکال دے گی (تو میں آپ کی مدد کرتا)۔،،(1)۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی بڑی بیٹی حضرت زینب (رض) کا نکاح ان کے خالہ زاد ابوالعاص (رض) سے کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سسرال کے ساتھ مزید رشتہ داریاں قائم کرنا بھی دراصل سسرال کے ساتھ اچھے تعلقات کی علامت ہے۔

آپ ﷺ کے اپنی ازدواج مطہرات حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب، حضرت سودہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے والدین کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور یہ سب نامور صحابہ کرام (رض) میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اپنے سسر ابوسفیان (رض) کے گھر آجانے والوں کو عام معافی دے دینا بھی دراصل اپنے سسرال کا احترام تھا۔ آپ ﷺ کے اپنے داماد وں کے ساتھ تعلقات بھی قابل رشک تھے چنانچہ حضرت علی اور عثمان (رضی اللہ عنھما) کے ساتھ آپ ﷺ کے تعلقات مثالی ور قابل رشک تھے۔ اور حضرت عثمان (رض) کے نکاح میں ایک بیٹی کی وفات کے بعد دوسری دے دینا اس بات کی علامت ہے کہ یہ اچھے تعلقات کا ہی نتیجہ تھا۔ اور غزوہ بدر کے موقع پہ۔ آپ کے بڑے داماد ابوالعاص (رض) قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ انے پنے صحابہ کرام (رض) کے مشورہ سے ان کو بغیر معاوضہ کے اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ مکہ واپس جا کر حضرت زینب (رض) کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوالعاص (رض) خود بھی بعد میں اسلام لے آئے حضور ﷺ ان سے بہت خوش تھے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان کے بارے فرمایا۔

،،(انھوں نے دامادی کا رشتہ اچھی طرح نبھایا) مجھ سے ہمیشہ سچی بات کی اور وعدہ بھی پورا کیا۔،،(2)۔

1۔ صحیح بخاری، باب بدالوحی، ج1 ص7 حدیث 3۔

2۔ صحیح بخاری، باب شروط المسر عند عقد النکاح، ج3 ص190۔

فصل دوم

خاندان کی تاریخ، ارتقاء، شرعی نقطہ نظر

مبحث اول: خاندان کا پس منظر اور تاریخ

مبحث دوم: خاندان کا ارتقاء

مبحث سوم: خاندان کے بارے شرعی نقطہ نظر

مبحث چہارم: رشتہ وصلہ رحمی کے بارے شرعی نقطہ نظر

خاندان کا پس منظر اور تاریخ

خاندان کی تشکیل انسان کی روحانی اور نفسیاتی ضرورت ہے۔ اور اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ، چونکہ انسان فطری طور پر اجتماعیت اور معاشرت کو پسند کرتا ہے اس لیئے کہ یہ انسان کی طبعی ضرورت بھی ہے اور خارجی عوامل وحالات بھی اسے معاشرت پسندی پر مجبور کرتے ہیں۔ اجتماعیت پسندی انسانی فطرت کا حصہ اس لیئے ہے کہ اسے مختلف عناصر سے ملا کر بنایا گیا ہے اور خالق کائنات نے اسے محض فرد کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا بلکہ اجتماعی زندگی کیلئے پیدا کیا ہے انسان کے اجتماعیت پسند ہونے پر ارسطو سے لیکر ابن خلدون تک تمام فلاسفہ اور علمائے معاشرت متفق ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ انسان اپنے اعمال کا انفرادی طور پر ہی ذمہ دار ہے لیکن اسے خاندان کا فرد بنا کر عائلی زندگی کا شعور اور معاشرت کی تشکیل کا سلیقہ بھی دیا گیا ہے انسان کی فطرت میں موجود انس ومحبت اسے اجتماعی زندگی کا شوق وشعور عطا کرتی ہے قرآن مجید میں اس فطری انس ومحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (1)۔ ،،اور اسی نے

تمہارے درمیان محبت والفت کو رکھا۔ ،،

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت میں موجود الفت، محبت اور انس اسے اولاً تشکیل خاندان اور ثانیاً تشکیل معاشرہ کا ذریعہ بناتی ہے۔ اسی فطرت کے ساتھ اولین انسان حضرت آدمؑ دنیا میں تشریف لائے اور ان کی زندگی کے ساتھی حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے دنیا کا اولین گھرانہ قائم کیا اور اس گھرانے کے ہاں بچوں کی پیدائش اور ان کی شادیوں کے بعد مزید گھرانے بنتے گئے اور یوں اس زمین پر موجود سب انسانی رشتوں کا آغاز ہو گیا جنہوں نے آگے چل کر ایک معاشرے کی شکل اختیار کر لی اور یوں خاندان اور معاشرے پھیلتے چلے گئے قرآن مجید میں دنیا کے انسانی کے اولین گھرانے کی تشکیل اور آگے چل کر اس سے معاشروں کی بنیاد کی تاریخ یوں بیان کی گئی ہے۔

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (2) ،،اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو۔ یقین رکھو اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ ،،

1۔الروم21۔

2۔النساء1۔

،،اللہ نے حضرت آدمؑ کو جب جنت میں رکھا ۔ بخشی تو وہ بے چینی میں رہتے تھے ان کی بیوی نہ تھی جسے وہ راحت کا ذریعہ بنا سکیں ایک دن وہ سو گئے جب اٹھے تو ایک ان کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی جسے اللہ نے ان کی پسلی سے بنایا تھا تو انھوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا عورت، پوچھا تجھے کس لیئے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا آپ کے سکون کیلئے۔(1)۔

خاندان کی تاریخ پر دیگر نظریات:

خاندان کی تاریخ کے متعلق کچھ دیگر نظریات بھی ہیں جنکا خلاصہ فریڈرک اینگلس کے حوالہ سے ڈاکٹر شاہدہ پروین نے یوں لکھا ہے۔

،،خاندان کے ارتقاء کے متعلق مختلف نظریات میں سے ایک نظریہ یہ ہے کہ فرد تنہا زندگی گزار رہا تھا، افراد میں تعاون نہ تھا لیکن قدرتی ماحول کی خوفناکیوں نے اسے تنہا سمجھ کر غلبہ حاصل کرنے میں کچھ کامیابی حاصل کرلی تو وہ باہمی تعاون اور مل جل کر رہنے پر مجبور ہوا۔ دوسرا نظریہ 1861ء میں شائع ہونے والی بیچوفن کی کتاب ،،مادری حق،، میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں مصنف نے بیان کیا کہ انسانوں میں شروع میں آزاد جنسی تعلقات کا رواج تھا انسان اور حیوان میں اس سلسلے میں کوئی تمیز نہ تھی مادر سری جس میں ماں کنبے کی سربراہ تھی کا دور دورہ تھا عورت خود خاندان کی ضروریات پوری کرتی تھی۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ گروہی شادی کا رواج تھا جو بچے پیدا ہوتے وہ سب کے لیئے مشترک ہوتے تھے۔ اس کے بعد چوتھا نظریہ مارگن کا نظریہ ہے اس نے 1871ء میں اپنی کتاب ،،خاندان اور رشتہ داری کا نظام،، کے نام سے شائع کی اس نے اس نظریے کی تحلیل کی کہ خاندان مادر سری سے پدر سری میں اور پھر جدید جمہوری طرز میں تبدیل ہوا ہے۔،،(2)۔

معاشرہ خاندانوں سے مل کر بنتا ہے اور خاندان کی ابتداء مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے اس بنیادی تعلق سے انسانی زندگی کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔ بچے ہوتے ہیں تو یہی زوجین والدین کا روپ اختیار کر لیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں تو پھر ازدواجی رشتے بنتے ہیں اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں، خون کے رشتے پھیلتے ہیں اور یہی وحدت پھیل کر معاشرت کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ یوں انسانی زندگی کی ارتقائی کڑیاں بنتی اور سنورتی چلی جاتی ہیں۔ خاندان کی سادہ شکل مرد و عورت کا تعلق ہے اور وسیع تر معنٰی میں وہ عناصر بھی اس میں شامل ہیں جو مرد و عورت کے ساتھ کسی طرح وابستہ ہیں

1۔الطبری، ابو جعفر، محمد بن جریر بن یزید ، م310ھ۔ جامع البیان فی تاویل القرآن۔ محقق، احمد محمد شاکر، موسسۃ الرسالۃ، طبع

اول 1420ھ،2000ء، باب35، ج1، ص513۔

2۔شاہدہ، حافظہ ڈاکٹر پروین۔ عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات۔ لاہور: شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ت۔ن، ص11۔

خاندان کا ارتقاء:

انسان نے بالکل آغاز میں ہی اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار خاندان پر ہے اسی لیئے تمدن کے ابتدائی دور سے لیکر موجودہ دور تک خاندان کی بنیادی حیثیت نہیں بدلی۔ ماہرین معاشرت کے مطابق مستحکم معاشرہ مستحکم خاندانوں کے بغیر وجود میں کبھی نہیں آسکتا۔ انسانی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندانوں کا انتشار معاشروں اور تہذیبوں کے زوال کا سبب بنا ہے۔ رومی تہذیب اسی سبب زوال کا شکار ہوئی اور دور حاضر کی مغربی تہذیب پر منڈلانے والے خطرات بھی خانگی نظام کے انتشار کا شاخسانہ ہیں۔ اس لیئے کہ خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو انسانی رویے اور اس کے طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے، اسی کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے، یہی فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے اور اسی سے حقوق مراتب کا شعور بڑھتا ہے۔ اگر خاندان کا ارتقاء و استحکام ختم ہو جائے تو انسانی طرز عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ہی ختم ہو جائے گا۔ اور ان اقدار کا فقدان معاشرتی بحران کا سبب بنتا ہے اور یہ قومی ہلاکت سے کم نہیں

خاندان کا ارتقاء و استحکام مرد و عورت کے مضبوط تعلق پر منحصر ہے اور اس کے لیئے لازمی ہے کہ مرد و عورت کا جنسی تعلق محض جنسی لذت کے حصول کے لیئے نہ ہو بلکہ یہ جوڑے کا باہمی تعلق ایک مستقل اور پائیدار عہد و وفا پر مشتمل ہو اور جسے قانونی تحفظ بھی حاصل ہو۔ اس کے بغیر اول تو خاندان بن ہی نہیں سکتا ہے اور اگر بن جائے تو مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ایک بچہ اپنی پیدائش کے بعد کئی سالوں تک نگہداشت اور پرورش کا مستحق ہوتا ہے۔ جب تک عورت اور مرد ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون نہ کریں تو یہ کام بخوبی سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

انسان کی پہلی اجتماعی اکائی اس کا خاندان ہے۔ خاوند اور بیوی کے مل کر رہنے سے گھر اور خاندان وجود میں آتا ہے اور بچوں کے بڑا ہونے پر ان کی شادیاں کروانے سے مزید گھرانے اور خاندان وجود میں آتے ہیں ایک مستحکم خاندان میں بچے کیلیے سب سے زیادہ سکون اور آرام کی سہولت میسر ہوتی ہے، اس کیلیے پہلا اور آخری سہارا اس کے والدین ہوتے ہیں۔ بچہ بڑا ہوتا ہے تو آزاد و خود مختار ہو جاتا ہے تو وہ بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا سہارا بن جاتا ہے۔ یوں خاندان کا ارتقاء و استحکام ایک مسلسل عمل ہے جس میں ہر فرد دوسرے کا سہارا بن جاتا ہے۔

بلکہ مضبوط گھرانہ مضبوط تمدن کی بنیاد ہوتا ہے، بیوی خاوند کے تعلقات پر پورا معاشرہ کھڑا ہوتا ہے۔اگر ان کے تعلقات استوار اور مضبوط ہوں تو اس سے گھر مضبوط ہوتا ہے اور اس سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ سنورتا ہے اسی لیئے اسلام نے انسانی فلاح و بہبود کے لیئے مستحکم اور مضبوط خاندان کی ضرورت پر زور دیا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اسلام تشکیل خاندان اور اس کے لوازمات کو محض دنیاوی ضرورت کے طور پر متعارف نہیں کرواتا بلکہ اسے ایک دینی اور جزوی معاملے کے طور پر لے کر مزید سنجیدگی کا مظاہرہ کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔اسلام نے خانگی نظام کے ارتقاء واستحکام کے لیئے کردار ادا کرنے والے کے لیئے دو جہانوں میں بہترین جزاء و ثواب اور اسے غیر مستحکم بنانے کی کوشش کرنے والے کو دو جہانوں میں سزا و اقرار دیا ہے۔

ارتقائے خاندان اور تقسیم کار:

خاندان کے ارتقاء واستحکام کیلیئے لازمی ہے کہ بیوی اور خاوند کے درمیان تقسیم کار ہو اس لیے کہ درحقیقت انسانی زندگی دو مختلف شعبوں پر منقسم ہے ایک گھر کے اندر کا شعبہ اور دوسرا گھر سے باہر کا شعبہ۔یہ دونوں شعبے ایسے ہیں کہ ان دونوں کو ساتھ لیئے بغیر ایک متوازن اور معتدل گھرانہ تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔گھر کا انتظام بھی ضروری ہے اور گھر سے باہر کا بھی یعنی کسب معاش بھی لازمی ہے۔ یہ دونوں کام ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ ٹھیک چلیں گے تو گھر مضبوط ہوگا اور اگر ان میں سے ایک ختم ہو گیا تو اس سے گھر کی مضبوطی میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور اس میں توازن ختم ہو جائے گا۔ان دونوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمائی ہے کہ مرد کے ذمے گھر کے باہر کے کام لگائے مثلاً روزی کمانے کا کام اور گھر کے اندر کا شعبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عورتوں کے حوالے کیا ہے کہ وہ اسے سنبھالیں گی۔مفتی محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں۔

،،اگر عقل کے ذریعے انسان کی فطری تخلیق کا جائزہ لیں تو بھی اس کے سوا کوئی اور انتظام نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جسمانی قوت جتنی مرد میں ہے، اتنی عورت میں نہیں، اور کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد میں عورت کی بنسبت جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے، اور گھر کے باہر کے کام قوت کا تقاضہ کرتے ہیں، محنت کا تقاضہ کرتے ہیں۔وہ کام قوت اور محنت کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے، لہذا اس فطری تخلیق کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ گھر کے باہر کا کام مرد انجام دے، اور گھر کے اندر کے کام عورت کے سپرد ہوں۔حضرت علی (رض) اور حضرت فاطمہ (رض) نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی (رض) گھر کے باہر کے کام سرانجام دیتے، اور حضرت فاطمہ (رض) گھر کے اندر کا انتظام سنبھالتیں، چنانچہ گھر کی جھاڑو دیتیں، چکی چلا کر آٹا پیستیں، پانی بھرتیں، کھانا پکاتیں۔،، (1)۔

خاندان کے ارتقاء واستحکام کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں ڈالی ہیں یعنی کسب معاش وغیرہ اور

1۔ تقی عثمانی، مفتی جسٹس (ر)۔اصلاحی خطبات۔کراچی: میمن اسلامک پبلشرز،1993،ج1ص139:138۔

عورتوں کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا اور اس میں صرف اتنی ہی بات نہیں کہ عورتوں کو بلاضرورت گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ عورت کو اس لیئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہ کر گھر کے انتظامات سنبھالے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (1)۔ ،،اور وہ(خواتین) گھر میں قرار پکڑیں۔،،

یہ آیت دراصل عورت کے گھر میں قیام کو استحکام خاندان کی بنیاد کے طور پر بیان کر رہی ہے۔

مغرب میں خاندانی نظام کے زوال کے اسباب:

آج مغرب میں خاندان کا ادارہ جس تیزی سے کمزور ہو رہا ہے اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسب معاش میں اضافہ کیلیے عورت کو آزادی اور حقوق کا لالچ دے کر گھر کی چار دیواری سے باہر نکال دیا گیا ہے۔مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لیئے دوہری مصیبت سمجھا ایک طرف تو اس کی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کیئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے،اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ متصور کرتا ہے، چنانچہ اس نے ان دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا اس کا خوبصورت اور معصوم نام تحریک آزادی نسواں ہے۔عورت کو یہ پڑھایا جا رہا ہے کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو اب آزادی کا دور ہے،اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیے۔ عورت ان دلفریب نعروں سے متاثر ہو کر گھر سے نکل رہی ہے تو اس سے اکثر گھٹیا درجے کے کام لیئے جا رہے ہیں اور قدم قدم پر اس کا جنسی استحصال کیا جا رہا ہے۔اور دوسرا اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کے گھر سے نکلنے کی وجہ سے خاندان کا ادارہ کمزور ہو رہا ہے۔ مغرب کے کئی ممالک میں دستاویزات پر والد کی جگہ والدہ کا نام لکھا جا رہا ہے کہ والد کا معلوم ہی نہیں کہ کون ہے۔ہم جنس پرستی پر مشتمل شادیوں کو تالیوں کی گونج میں قانون ساز اداروں سے منظوری حاصل ہو رہی ہے۔ قانونی شادیوں کا رواج تیزی سے ختم ہو رہا ہے ان ممالک میں اب شادی وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔اور بہت سے ممالک میں بچوں کو بھی ممتا کے پیار اور پدری شفقت دینے کے بجائے بے بی ڈے کیئر سینٹرز میں ڈال دیا جاتا ہے،اور والدین کا مقدر نرسنگ ہومز بن چکے ہیں۔

مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو اس تہذیب پر رشک آرہا ہے، اور وہ اسی تہذیب کو مغرب کی مادی اور سائنسی ترقی کا سبب سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ ان کی اس ترقی کا سبب سائنسی علوم میں مہارت ہے نہ کے ان کی وہ تہذیب جس

1۔الاحزاب33۔

خاندانی نظام کی بنیادیں ہلانے کے بعد معاشرتی بے راہروی کا طوفان بپا کر دیا ہے۔ اسلام ہر علاقے اور ہر قوم کی روایات کا احترام سکھلاتا ہے، اور ان کی اچھی روایات کو اپنانے پر بھی قدغن نہیں لگاتا البتہ ان میں موجود غیر شرعی باتوں کے لینے کی اجازت نہیں دی۔

عصر حاضر میں خاندانی اقدار تیزی سے بدل رہی ہیں، اگر یہ تبدیلی اسلامی اصولوں کے مطابق ہو تو اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جانی چاہیے، اس لیئے کہ اسلام وقت کے تقاضوں کو نبھانے کا روادار ہے یہ کوئی جامد طریقہ زندگی نہیں ہے۔ البتہ ایسی کسی بھی تبدیلی کی حوصلہ افزائی کے لیئے دین سے کوئی جواز نہیں نکالا جا سکتا جو اسلام کے بنیادی مقاصد سے ٹکراتا ہو یا ادارہ خاندان کیلئے کسی نقصان کا سبب بن جائے اس لیئے کہ یہ ادارہ صحت مند معاشرے کی اساس اول ہے۔

خاندان کے بارے شرعی نقطہ نظر:

اسلام دین فطرت ہے اس نے انسان کے اجتماعی شعور اور ان کے میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس اجتماعیت کی نشو و نما اور استحکام کے لیئے اصول و ضوابط بھی دیے ہیں۔ اسلام اجتماعیت کو فروغ دینے والے عوامل کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے نقصان پہچانے والے عوامل کی حوصلہ شکنی بھی کرتا ہے۔ اسلام میں افراد کی کسی اجتماعیت میں شرکت کے لیئے صالح بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔ فرد بنیاد ہے اور اس پر قائم ہونے والی اجتماعیت کی ہر اچھی کوشش مستحسن ہے۔ اسلام میں سود مند اجتماعیت کے فوائد اور نقصان دہ اجتماعیت کے مضمرات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اسلام انسانی مساوات اور وحدت کا علمبردار ہے اس لیئے وہ اولاد آدم کے درمیان تفریق کی ہر کوشش کی مذمت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں رنگ، نسل، زبان اور ذات کسی بھی اعتبار سے انسانوں کے مابین تفریق کرنا جائز نہیں ہے۔

انسانوں کی اولین اجتماعی اکائی خاندان ہے اور اسلام میں خاندان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کی رو سے خاندان معاشرے کا سب سے اہم ادارہ ہے، یہ افراد کی تیاری کا مرکز ہے اور اسی پر مستقبل کی اچھی یا بری کارکردگی منحصر ہے۔ اچھے خاندان کے بغیر نہ تو اعلیٰ افراد تیار ہو سکتے ہیں اور نہ بہترین معاشرہ و اقوام تشکیل پا سکتی ہیں۔ اگر خاندان اپنی درست کارکردگی نہ دکھائے تو اس کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے اور اس قوم کا حال ہی نہیں مستقبل بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اگر خاندان کا نظام درست

شرعی اصولوں پر استوار نہ ہو تو اس گھرانے کے فرد خوشحال زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیئے اسلام گھرانے کی آسودگی اسلام کے لیئے ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کا حکم دیتا ہے جو اس میں ربط اور مضبوطی کا سبب بن سکیں۔
میں خاندان کے مختلف رشتوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی خاص نشانی بتاتے ہوئے ان کے حقوق کی ادائیگی کر کے خاندان کو مضبوط بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

خاوند اور بیوی خاندان کی اساس اول ہیں اور اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جائے اور اس سے مسائل جنم لینے لگیں تو ان کے تدارک کیلیے مناسب اقدامات اٹھانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اور زوجین کو حکم دیا ہے کہ وہ باہمی مذاکرات اور اقدامات سے اس مسئلے کو حل کر لیں۔ اور اگر زوجین باہمی مذاکرات سے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں تو پھر ان کے قریبی متعلقین کو اس میں اپنا کردار ادا کر کے خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (1)۔ ،،اور اگر تمہیں زوجین کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو، اگر وہ دونوں اصلاح کروانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔،،

اس آیت میں ایک گھر کو اجڑنے سے بچانے کیلیے مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ انسانی عقل کے عین مطابق ہے۔

،،علم سیاسیات کے ماہرین کے مطابق کسی بھی مسئلے کے حل کا سب سے مناسب اور سرفہرست طریقہ متاثرہ فریقوں کا دو بدو بیٹھ کر مذاکرات کرنے کا عمل ہے جسے براہ راست مذاکرات کا عمل کہا جاتا ہے یہ ایک فطری اور جلد نتائج دینے والا طریقہ کار ہے۔ کیوں کہ مسئلے کی شدت اور مضمرات سے فریقین سے زیادہ کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسے طریقہ کار سے انجام دیے جانے والے مذاکرات کے نتائج زیادہ دیرپا اور قابل قبول ہوتے ہیں۔،،(2)۔ نبی ﷺ نے بھی اختلافات کو ختم کر کے گھرانے کو بچانے کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے طلاق جیسے عمل پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

،،حلال کاموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔،،(3)۔

اسلام ایک مضبوط خاندان تشکیل دینے کا حامی ہے اس لیئے خاندان کے افراد کے ایک دوسرے پر حقوق لازمی کیے ہیں ایک فرد کے فرائض ہی دوسرے کے حقوق بن جاتے ہیں اگر جانبین ذمہ داری سے اپنے اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو سب کو اپنے حقوق خود بخود مل

1۔النساء35۔

2۔ایکسپریس سنڈے میگزین۔2فروری2014ء،ص8۔

3۔سنن ابن ماجہ،باب حدثنا سعید بن سعید،ج1ص650،حدیث 2018۔

جائیں گے۔اور اگر کہیں ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو کر دوسرے کے حقوق متاثر ہونے لگیں تو دم آخری حد تک جا کر خاندان کی بنیادیں ہلا دینے والے اقدامات کے بجائے اسلام متاثر فریق کو عفو و درگذر کی تاکید کے ساتھ ساتھ زیادتی کرنے والے کو دوسرے کے حقوق کی پامالی سے منع بھی کرتا ہے۔ خاندان کے بقاء و استحکام کی خاطر اسلام ہر فرد کو یہ حکم بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے نہ تو تجاوز کرے اور نہ ہی ان کا بے جا استعمال کرے۔اسی طرح خاندان کے تمام افراد کے حقوق اس اعتدال اور توازن کے ساتھ بجالائے کہ کسی ایک رشتے کے حقوق کی ادائیگی کسی دوسرے رشتے کی حق تلفی کا سبب نہ بن سکے۔اس کے ساتھ ہی اسلام نے خاندان کو نقصان پہنچا سکنے والے ان عوامل کی بھی نشاندہی کی ہے جو کسی بھی طرح ضرر رسانی کا سبب بن سکتے ہیں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ چیز باور کرائی گئی ہے کہ خاندان کا قیام اور اس کی بقاء محض امور دنیاداری میں سے نہیں ہے بلکہ اسے مقاصد شریعت میں شمار کرنا چاہیے۔

فقہاء نے اس حوالہ سے امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نکاح محض ایک دنیاوی معاملہ نہیں ہے۔چنانچہ فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔،،تمام مسلمانوں کا نکاح کے شرعی امر ہونے پر اجماع ہے۔،،(1)۔

اسلام نے ڈیڑھ ہزار سال قبل خاندان کو اہمیت دیتے ہوئے جو معاشرتی ضوابط اور خاندانی اقدار اسلامی معاشرے کو دیے وہ بجائے خود ایک بڑی نعمت ہیں۔شادی بیاہ کا پاکیزہ نظام،زوجین کے حقوق،والدین اور اولاد کے درمیان جسمانی و روحانی تعلق اور خاندانی نظام کے تمام افراد کے درمیان ربط اس کی مثالیں ہیں۔زوجیت کو ایک عہد وقرار دیا ہے جس میں میاں بیوی کے درمیان ایک پائیدار محبت کے ذریعے ایک مستحکم خاندانی نظام تیار ہوتا ہے۔قیام خاندان کیلئے نکاح لازمی ہے اور نبی کریم ﷺ نے نکاح کو نصف ایمان قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

جب بندہ شادی کرلیتا ہے تو اس کا نصف ایمان مکمل ہو جاتا ہے،پھر باقی نصف ایمان کے بارے میں اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔،،(2)۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے قیام خاندان کے لیئے شادی ضروری ہے اور اس شادی کو دیرپا اور موثر بنانے کیلئے زوجین کی رضامندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ نکاح ایک پختہ عہد ہے اور اسے برقرار اور قائم رکھنے کی خاطر ان دونوں کی رضامندی شرط ہے

1۔ابن قدامہ،ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ،م620ھ۔المغنی لابن قدامہ۔ قاہرہ: مکتبہ القاہرہ،1388ھ،1968ء، فصل الناس فی الکاح علی ثلاثۃ اضرب،ج7ص4۔ 2۔شعب الایمان، فصل فی الترغیب فی النکاح،ج7ص340، حدیث 5100۔

چنانچہ مردوں کی رضامندی کے لازم ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (1)۔

،،تو تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔،،

اور عورتوں کی رضامندی کو ان الفاظ سے لازمی کیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا (2)۔

،،اے ایمان والو تمہارے لیئے حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔،،

یہ سارے اقدامات دراصل ایک مضبوط خاندان کے قیام کے لیئے ہی اٹھائے جانے کا حکم دیا ہے۔

رشتہ وصلہ رحمی کے بارے شرعی نقطہ نظر:

خاندان پہلا معاشرتی ادارہ ہے اور اس کی بنیاد صلہ رحمی ہے انسانی فطرت کے مطابق اجتماعی نظم پیدا کر کے مل جل کر رہنا گزیر ہے انسان کے اجتماعیت پسند ہونے پر تمام علمائے معاشرت متفق ہیں انسان انس و محبت کا پیکر ہے،اور اس کے خمیر میں اجتماعیت رکھ دی گئی ہے۔اس فطرت کے ہوتے ہوئے اس کے لیے تنہا زندگی بسر کرنا ممکن بھی نہیں اور اسلامی نقطہ نظر سے جائز بھی نہیں۔اسی لیے اسلام میں رہبانیت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے بھرپور معاشرتی وسماجی زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مشہور مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

،،ہر انسانی کا اکٹھے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر عمل ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جسے بیان کرتے ہوئے اہل علم کہتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔،،(3)۔

جب انسان کی فطرت اجتماعیت پسند ہے تو لازما اس نے مل جل کر رہنا ہے اس لیئے اس کے ذمہ دوسروں کے حقوق اور دوسروں کے ذمہ اس کے حقوق ہوں گے۔ چنانچہ انسان سب سے پہلے اپنے اہل قرابت سے تعلق استوار کرتا ہے

1 ۔النساء 3۔

2۔النساء19۔

3۔ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، م808ھ۔تاریخ ابن خلدون۔ محقق خلیل شحادہ، بیروت: دارالفکر، طبع ثانی1408ھ،1988ء، باب الاولی فی الاجتماع الانسانی ضروری، ج1، ص54۔

اور پھر دوسرے افراد معاشرہ سے میل جول استوار کرتا ہے۔اسلام نے ہر دو کے ساتھ تعلقات کے اصول اور اس کے شرعی ضوابط بیان کیئے ہیں اور صلہ رحمی کے بارے میں تو خصوصی احکامات دیے گئے ہیں قرآن مجید میں نسب اور سسرال کے رشتوں کا ذکر بطور احسان ربانی اور اس کی قدرت کی نشانیوں کے بطور کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا (1)۔

،،اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پانی سے بنایا اور اسے نسب اور سسرال والا بنایا۔،،

اس آیت میں نسب اور سسرال کے رشتوں کا ذکر دراصل زوجین کے تعلق کی توسیع اور خاندان کی بنیادی اکائی کا بیان ہے۔ اس میں اس تعلق کی حیاتیاتی بنیاد کے ساتھ ساتھ اجتماعی احساس کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اس بنیادی رشتے اور اس کی اہمیت اجاگر کرنے بعد قرآن مجید میں خاندان کی وسعت اور اس کے استحکام کیلئے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ حسن سلوک اجتماعیت کی بنیاد ہے قرآن مجید اسے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کے بعد دوسرے اخلاقی ودینی اصول کے طور پر بیان کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منشاء خداوندی میں انسانوں کی اجتماعیت اور صلہ رحمی خاص اہمیت رکھتی ہے۔اور ربانی منصوبے میں انسانی زندگی کا یہ پہلو نہ صرف شامل ہے بلکہ خصوصی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ (2)۔

،،اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے۔،،

قرآن مجید نے قطع رحمی کو فساد فی الارض کے مترادف قرار دے کر دونوں جہانوں میں قابل سزا جرم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (3)۔،،جو اللہ کے ساتھ وعدہ کر کے توڑتے ہیں، اور اللہ نے جسے جوڑنے کا کہا ہے اسے توڑتے ہیں، اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔،،

1۔الفرقان54۔

2۔النساء36۔ 3۔البقرہ27۔

صلہ رحمی اجتماعی زندگی کی اساس ہے اور قطع رحمی اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لیئے احادیث کی کتب میں صلہ رحمی کی اہمیت اور قطع رحمی کی مذمت پر مشتمل متعدد احادیث موجود ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،رحم (نسبی رشتہ) رحمٰن سے لیا گیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا جس نے تجھے ملایا میں اس سے ملوں گا اور جس نے تجھے نہ ملایا میں اس سے نہیں ملوں گا۔،،(1)۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رض فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمان ہوں اور یہ رحم (نسبی وسسرالی رشتہ) ہے، اور میں نے اپنے نام سے اس کا نام نکالا ہے جس نے اسے پیوستہ رکھا میں نے اسے پیوستہ رکھا اور جس نے اسے کاٹ دیا میں نے اسے علیحدہ کر دیا۔،،(2)۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کمال ایمان کی علامت واظہار ہے۔اس سے عمر اور رزق میں برکات نازل ہوتی ہیں۔ صلہ رحمی سے اللہ بھی راضی ہوتا ہے اور اس کی مخلوق بھی راضی ہو جاتی ہے۔اس سے ددھیال اور ننھیال و دیگر اقارب سے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں اور ان سب کے مابین محبت پیدا ہوتی ہے۔صلہ رحمی سے اللہ تعالی کی نصرت اور مدد کے شامل ہونے کے ساتھ ساتھ اہل فرشتے کی تائید بھی حاصل ہوتی ہے۔یہ رشتہ داروں کا حق ہے اگرچہ وہ مشرک، بدعتی اور فاسق ہی کیوں نہ ہوں، اور حق سے بری الذمہ ہونا خوش بختی ہے نیز جس سرزمین پر صلہ رحمی ہو اس پر رحمت نازل ہوتی ہے۔(3)۔

1۔ صحیح بخاری، باب من وصل وصلہ اللہ، ج8ص6، حدیث 5988۔

2۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، م275ھ۔سنن ابوداؤد۔ محقق محمد محی الدین عبدالحمید، بیروت: مکتبہ العصریہ، ت۔ن، باب فی صلۃ الرحم، ج2ص133، حدیث 1694۔

3۔خطیب الحرم، صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی اخلاق الرسول الکریم ﷺ جدہ: دارالوسیلۃ للنشر والتوزیع، ت۔ن، باب الصلۃ واحسان، ج7ص2615۔

باب دوم

زوجین اور اولاد کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

فصل اول

زوجین کے احکامات

مبحث اول: رشتہ ازدواج کی اہمیت

مبحث دوم: خاوند کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: بیوی کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

رشتہ ازدواج کی اہمیت:

نکاح انسان کی ان بنیادی ضرویات میں سے ہے جو انسان کو معاشرے کے آغاز سے ہی درکار رہی ہیں، سچ تو یہ ہے کہ یہ حضرت انسان کی پہلی ضرورت تھی۔ یہی تو اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد جلد ہی حضرت حواؑ کو پیدا کر کے ان کا جوڑا مکمل کیا اور انھیں جنت جیسا بے مثال گھر دیا ان کے ہبوط دنیا سے لیکر آج تک یہ سلسلہ چل رہا ہے اور قیامت تک چلتا ہی رہے گا۔ اللہ تعالی نے نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کیئے ہیں اور ان کے درمیان اپنی مہربانی سے مودت ومحبت رکھ کر زوجین کے اس پورے نظام کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے۔ زوجین کا یہ تعلق اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان ہے اگر یہ تعلق نہ ہو تو انسانی زندگی بے مزا اور بے سکون ہو جائے۔ اللہ تعالی نے زوجین کے اس تعلق میں ایسی کشش رکھی ہے کہ ایک کا دوسرے کے بغیر رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ نکاح کا بندھن ایسی معاشرتی اساس ہے جس کے استحکام سے معاشرتی استحکام وابستہ ہے اور کسی بھی علاقے، ملک اور قوم کی مضبوطی شادی شدہ جوڑوں کے مضبوط تعلقات کی مرھون منت ہے۔

خاوند کو بیوی اور بیوی کو خاوند کا میسر ہونا باہمی انس ومحبت، دلجوئی وغم خواری اور باہمی پریشانیوں کے مداوا کیلئے بہت ضروری ہے۔ اس لیئے یہ انسان پر اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان ہے جس کا ذکر اللہ تعالی نے احسان کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت کی نشانیوں کے طور پر بھی کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (1)۔

،،اور اس کی نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون پاسکو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے۔،،

اللہ تعالی کی طرف سے تدبیر کائنات کا ایک پہلو نسل انسانی کا تحفظ اور اس کا ارتقاء بھی ہے اور اس کے لیے ابتدائے آفرینش سے ہی نکاح کا جائز قانونی راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور درحقیقت رشتوں کے استحکام اور معاشرتی امن کے لیئے بھی یہی طریقہ موثر اور دیرپا ہے، نیز یہی طریقہ عصمتوں کے تحفظ اور جنسی تسکین کا بھی ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد نوجوان نسل شیطان کا اہم ہدف ہوتی ہے اور وہ جوانی کے جذبات کا فائدہ اٹھا کر انھیں بے راہ روی کا شکار کر کے نہ صرف اللہ تعالی بلکہ اپنے ضمیر کا بھی مجرم بنا سکتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ مجرد زندگی گزارنے کی حوصلہ شکنی کی بلکہ نوجوانوں کو شادی کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

1۔ الروم 21۔

،،اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو اسباب نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کرے اس لیئے کہ یہ نظر کو بہت جھکانے اور شرم گاہ کی بہت حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور جو نکاح کے اسباب نہیں رکھتا اس پر روزے (نفلی) رکھنا لازمی ہے، کیونکہ یہ اس کی شہوت کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔،،(1)۔

جوانی کی عمر کو پہنچنے پر طبعی طور پر شہوات کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس کا علاج شادی ہے اس لیئے نبی ﷺ نے اس عمر میں شادی رترغیب دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی نکاح وشادی انسان کی مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر بھی ضرورت ہے۔

1۔ رشتہ ازدواج فطری ضرورت:

اسلام دین فطرت ہے اور اس کے احکامات فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور شادی بھی چونکہ ایک فطری ضرورت ہے اس لیے اسلام نے اس فطری ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ شادی کی اجازت دی ہے بلکہ ہر بالغ اور صاحب استطاعت کیلئے بعض حالات میں اسے لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں شادی اور نکاح کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (2)۔ ،،تو تم نکاح کروان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔،،

نبی کریم ﷺ نے اس قرآنی حکم کی تشریح وتائید میں متعدد ارشادات فرمائے اور خود آپ ﷺ کی سیرت گواہ ہے کہ آپ نے اس حکم پر بھرپور عمل کر کے بھی دکھایا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ،،نکاح میری سنت ہے، تو جو میری سنت پر عمل نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں، اور نکاح کرو، میں اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔ اور جو کوئی صاحب استطاعت ہو تو وہ نکاح کرے، اور جو (مہر اور نان نفقہ کی) استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ با کثرت روزے رکھے، یہ اس کے لیئے (گناہ سے) بچاؤ کا ذریعہ ہے۔،،(3)۔ جنسی ضروریات کی تکمیل کے شادی کے علاوہ تمام طریقے غیر مناسب اور غیر فطری ہونے کے باعث ممنوع ہیں اس لیئے یہ تمام طریقے ان گنت مفاسد کو جنم دیتے ہیں اس لیے اسلام ان تمام طریقوں کا سد باب کرتے ہوئے جائز فطری اور قانونی راستہ یعنی نکاح کا طریقہ اپنانے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیئے قرآن مجید میں نکاح کو احصان سے تعبیر کیا گیا ہے، حصن قلعہ کو کہتے ہیں، اور احصان قلعہ بندی کو کہا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے مرد کو محصن اور نکاح کرنے والی عورت کو محصنہ

1۔ صحیح بخاری، باب فی قول النبی ﷺ من استطاع الخ، ج7 ص3، حدیث 5065۔۔

2۔ النساء 3۔

3۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی فضل النکاح، ج1 ص592، حدیث 1845۔

کہا جاتا ہے، یعنی نکاح کرنے والا مرد او عورت اس قلعہ میں محفوظ ہو گئے ہیں جو ان کے نفس اور اخلاق کی حفاظت کے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس استعارے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا بنیادی مقصد اخلاق اور عزت کا تحفظ اور جائز طرح جنسی خواہشات کا پورا کرنا ہے۔

2۔ رشتہ ازدواج معاشرتی ضرورت:

اسلام کے مطابق نکاح محض انسان کی فطری ضرورت اور جنسی تسکین کا ہی نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک معاشرتی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ یہ افزائش نسل کا ذریعہ ہے جو انسان کی بقاء و تحفظ کیلئے ضروری ہے اور اسی وجہ سے نکاح کو مقاصد شریعت میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں نکاح کو احساس بندگی اور شعور زندگی کیلئے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رشتہ ازدواج کے باعث انسان مکمل معاشرتی و سماجی زندگی گذارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس بنیادی تعلق کی وجہ سے نسل انسانی کا تسلسل قائم رہتا ہے بچے پیدا ہوتے ہیں تو یہی زوجین والدین کا روپ دھار لیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں ان کی شادیاں ہوتی ہیں تو پھر نئے ازدواجی رشتے بنتے ہیں، نئے کنبے اور خاندان وجود میں آتے ہیں، خونی رشتے پھیلتے ہیں تو یہی وحدت معاشرے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ قرآن مجید میں رشتہ ازدواج کے انھیں فوائد کے باعث اس کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (1)۔

،،اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیئے بیویاں بنائی ہیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیئے بیٹے اور پوتے پیدا کیے ہیں۔،،

رشتہ ازدواج کی معاشرتی ضرورت کے سبب ہی نبی کریم ﷺ نے ایسی عورت سے شادی کرنے سے منع فرمایا ہے جس میں بچوں کے پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو چنانچہ سنن ابوداؤد میں روایت ہے۔

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک خوبصورت ترین اور اعلیٰ حسب و نسب والی عورت ہے لیکن بانجھ ہے کیا میں اس کے ساتھ نکاح کروں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں۔ وہ آدمی دوسری مرتبہ پھر اسی غرض سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منع کر دیا۔ پھر وہ شخص تیسری مرتبہ اس اجازت کی غرض سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منع کر دیا اور فرمایا، محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرسکنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔،،(2)

-

1۔ النحل 72۔

2۔ سنن۔ ابوداؤد، باب النھی عن تزویج من لم یلد من النساء، ج2 ص220، حدیث 2050۔

3۔ رشتہ ازدواج اخلاقی ضرورت

جنسی جذبات اور شہوانی خیالات انسان کی فطرت اور جبلت میں شامل ہیں اگر ان کی جائز جگہ پر تکمیل کے مواقع موجود نہ ہوں تو شیطان ان کی تکمیل کے لیئے ناجائز مقامات کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ناجائز جگہ خواہشات کی تکمیل سے اخلاقی قدریں زوال پذیر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے نکاح کے ذریعہ خواہشات کی تکمیل کا جائز راستہ نکل آتا ہے جو اخلاقیات کے تحفظ کا ضامن ہے۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنے اشرف المخلوقات کے درجہ سے حیوانیت وبہیمیت کی طرف تنزلی اختیار کرے، بلکہ اسلام ایک ایسے پاکیزہ معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جس میں عزت وعفت اور عصمت وحرمت کی بھرپور جھلک دکھائی دے اور جہاں ماں بہن بیٹی اور ہر عورت کو اس کی عصمت کے تحفظ کا ماحول میسر آسکے۔ چنانچہ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے یوں حکم دیا گیا۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (1)۔

،، تم میں سے جو مرد وخواتین غیر شادی شدہ ہوں تو ان کا نکاح کروادو اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔،،

اس آیت میں اخلاقیات کے تحفظ کی خاطر یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالغ افراد کو جائز طریقے سے بلاتاخیر شادی بیاہ کے بندھن میں باندھ دیا جائے کیونکہ جنسی بے راہروی سے بچانے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے تحفظ کیلئے یہی مناسب طریقہ ہے۔ نکاح انسان کو شرم وحیاسے نواز کر با اخلاق بناتا ہے۔ اس مقصد کیلئے شادی کرنے والے شخص کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا۔

،، تین بندوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے ایک تو اس مجاہد کی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے، دوسرے اس مکاتب غلام کی جو آزادی کیلئے طے شدہ رقم ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور تیسرے اس شخص کی جو پاک دامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے۔،، (2)۔

4۔ رشتہ ازدواج نفسیاتی وروحانی ضرورت:

اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کی شکل میں انسانوں کو دو مختلف اجناس میں تقسیم کر کے ان میں فعل وانفعال اور جذب وانجذاب کے کچھ ایسے جذباتی احساسات رکھے ہیں کہ ہر جنس دوسری جنس کی قدرتی طلب رکھتی ہے۔ اور ہر جنس دوسری جنس سے باہمی روحانی ونفسیاتی لذت حاصل کرنا چاہتی ہے قرآن مجید میں انسان کی اس نفسیاتی وروحانی ضروت اور اس کے حل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور قدرت کی نشانیوں کے طور پر یوں ذکر کیا ہے۔

1۔ النور 33۔

2۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی المجاہد والمکاتب والناکح، ج4 ص184، حدیث 1655۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا (1)۔ ،،اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کر سکے۔،، اس آیت میں بیوی و خاوند کو ایک دوسرے کیلئے روحانی اور نفسیاتی ضرورت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہ سکون صرف جنسی تسکین نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے نفسیاتی و روحانی مسائل کا حل شادی میں ہے۔

رشتہ ازدواج کے استحکام کی ضرورت:

نکاح کا بندھن ایسی معاشرتی اساس ہے جس کے استحکام سے گھر اور معاشرے کا استحکام وابسطہ ہے۔ اور کسی بھی ملک قوم اور معاشرے کی مضبوطی کا انحصار شادی شدہ جوڑوں کے مضبوط تعلقات کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس لیئے کہ گھریلو زندگی میں پر سکون لوگ زندگی کے ہر میدان میں بہتر کارکردگی کے حامل قرار پاتے اور معاشرے پر اچھے اثرات چھوڑتے ہیں۔ گھریلو زندگی میں مطمئن شخص ہر کام انہماک اور دلجوئی سے سرانجام دیتا اور اپنی دیگر ذمہ داریوں سے بھی بحسن و خوبی عہدہ برا ہوتا ہے۔ پر سکون شادی شدہ جوڑا ذہنی خلفشار، باہمی کدورتوں، معاشرتی ناہمواریوں اور اختلافات سے کوسوں دور ہوتا ہے اگر ملکی یا علاقائی سطح پر یہی عائلی مزاج ہو تو معاشرہ انتہائی پر امن، باہمی ہم آہنگی کا محور اور محبت و مودت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں جس قدر نکاح کی عظمت و اہمیت ہے اور شرعی دلائل جس قدر شادی کے بندھن کو مضبوط و توانا دیکھنا چاہتے ہیں اسی قدر شیطان مردود کا سب سے بڑا ہدف زوجین میں دوریاں پیدا کرنا اور ان رشتوں میں رخنے ڈال کر انھیں ختم کرنا ہے۔ شیطانی قوتوں کو نکاح کا استحکام اور شادی میں پائیداری ہر گز منظور نہیں۔ اس کے کارندے بیوی کو خاوند سے بد ظن کرنے اور خاوند کو بیوی سے متنفر کرنے کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اگر ان کی یہ کوششیں کامیاب ہو جائیں تو ازدواجی زندگی بازیچہ اطفال بن جائے۔ اس لیئے اسلام میں صرف نکاح کا حکم ہی نہیں دیا گیا بلکہ اس رشتے کو دیرپا اور مضبوط بنانے کے لیئے ایسی آفاقی تعلیمات دی گئی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ازدواجی زندگی میں شیطانی قوتوں کی دخل اندازی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ،،یقیناً شیطان مردود اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے کارندوں کو (دنیا کے مختلف حصوں میں) بھیجتا ہے۔ اپنے سب سے زیادہ فتنہ باز کو اپنے قریب رکھتا ہے، جو سب سے بڑا فتنہ بپا کرتا ہے۔ اس کے کارندوں میں سے ایک اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ اس نے فلاں فلاں کام کیا ہے لیکن وہ اسے کہتا ہے تو نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر ایک کارندہ آکر کہتا ہے میں نے اس شخص کو نہیں چھوڑا یہاں

1۔ الاعراف 189۔

سکے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کروادی (راوی کہتے ہیں) یہ سن کر شیطان اس کارندے کو اپنے قریب کر لیتا ہے یا اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے، اور اسے کہتا ہے کیا ہی خوب کام تو نے کیا ہے۔،،(1)۔

ازدواجی رشتے کو مضبوط بنانے کیلئے سب سے پہلے اسلام میں جیون ساتھی کے انتخاب میں رہنمائی دی گئی ہے اور اس انتخاب کی اہلیت کا معیار بیان کیا گیا ہے، نکاح کے عمل کو شرعی طریقے سے سادگی اور کم اخراجات کے ساتھ سرانجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نکاح کے بعد بیوی اور خاوند کو ایک دوسرے کا شریک اور مقصد حیات سمجھ کر ایک دوسرے کی خامیوں کو برداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام زوجین کو یہ باور کراتا ہے کہ اگر اس کے جیون ساتھی میں کوئی کمی کوتاہی ہے تو اسے برداشت کر لیا جائے اس لیئے کہ یہی شریک حیات تمام خامیوں سے پاک ہو کر مثالی بن سکے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ ازدواجی زندگی کے استحکام کے لیئے اسلام میں زوجین میں سے ہر ایک کے حقوق رکھے گئے ہیں اور متعلقہ فریق کو ان حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر ایک کے حقوق کی جائز حدود متعین کر کے نہ صرف ان سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ ان کے بے استعمال کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ عائلی نظام کا ہر رشتہ اپنی جگہ اہم ہے اس لیئے ایک کے حقوق کی ادائیگی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیے بلکہ سب کے حقوق کو اعتدال اور توازن کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ بیوی خاوند میں اختلاف رائے اور اس کے نتیجے میں بسا اوقات لڑائی ہو جانا ایک فطری عمل ہے، لیکن اس لڑائی کی نوبت۔ کو طلاق تک لے جانا درست نہیں ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس وقت۔ نہ بیوی کو جذباتی ہو کر گھر چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی خاوند کو اسے گھر سے نکالنا چاہیے بلکہ مل بیٹھ کر سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کرنی کارگر۔ ہو سکتی ہے۔

موجودہ عائلی صورتحال:

گھریلو زندگی اجتماعی زندگی کا بنیادی ستون ہے۔ معاشرتی زندگی ترقی کرتی جب۔ زوجین کا باہمی تعلق ٹھیک ہو، بیوی کی سعی جدوجہد میں جو خلا رہ جائے وہ خاوند پر کرے، اور خاوند کی دوڑ دھوپ میں جو نقص و کمی ہو وہ بیوی پورا کرے۔ بد قسمتی سے آج بیوی اور خاوند کے باہمی رشتوں میں عدم توازن کی وجہ سے گھر اور معاشرہ انحطاط پذیر ہیں۔ کیونکہ باہمی رشتوں میں توازن نہ ہونے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ گھریلو اور اجتماعی زندگی کے بعض گوشے تو ویران ہونے لگتے ہیں اور بعض پر ضرورت سے زیادہ قوت صرف ہونے لگتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی تباہ کن رویے ہیں۔

1۔ مسند احمد، باب مسند جابر بن عبداللہ، ج22ص275۔

عصر حاضر میں مغربی معاشروں میں اجنبی- جدیت پسندی اور مادیہ ر آزادی اور مشرق میں روایات کی آڑ میں گھریلو زندگی کے اس خوبصورت محل کو جو در حقیقت بنی نوع لا ں کا سائبان تھا میں دراڑیں ڈالی جا رہی ہیں۔ یہ تباہ کن طرز عمل نہ صرف موجود لا نی معاشروں کے لیے تباہ کن ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی کوئی قلا تقلید رویہ نہیں۔

عائلی اصلاح بہت ضروری ہے اگر عائلی مسائل سے غفلت برتی گئی اور بگاڑ کو جاری رہنے دیا گیا تو معاشرے کا کوئی پہلو بہتری اور بھلائی سے مالامال نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اندیشہ ابتری اور تباہی کا ہے۔ ہما را معاشرہ اسلام کے اصولوں پر صحیح طور پر قائم نہیں رہا۔ اس لیے دیگر شعبوں کی طرح ہما رے عائلی شعبہ میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ملکی سطح پر موجود قوانین اس بارے میں ناکافی بھی ہیں اور ان پر عمل درآمد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس بارے میں موثر اور مکمل قانون سازی اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی اشد ضرورت ہے ان مسائل کا جلد از جلد حل گھر، معاشرے، ملک اور نوع لا نی کے تحفظ کے لیے بہت ضروری ہے اور اس کا واحد، جامع اور قلا عمل حل وحی کی تعلیمات میں ہے، اس لیے اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے نفاذ کیلیے ہر فرد کو اپنے طور پر اسلامی تعلیمات کو حرز جان بنانا لازمی ہے۔

خاوند کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل:

خاوند کے حقوق کی بنیاد:

اسلام کے عائلی نظام میں خاوند کو بیوی کی جانب سے جو حقوق حاصل ہیں ان کی بنیاد براہ راست قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہے، ان تعلیمات میں بیوی کے لیئے خاوند کو سب سے اہم رشتے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ان حقوق کی اساس یوں واضح کی گئی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (1)۔

،،مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال بھی خرچ کیے ہیں۔،،

قرآن مجید میں خاوند اور بیوی کے خانگی حقوق کی برابری کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (2) ،،اور مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔،،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،اگر میں کسی کو کسی کے لیئے سجدے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔،،(3)۔

خاوند کے حقوق کے بارے میں ایک اور حدیث بھی بنیاد ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے روایت کیا ہے۔

،،حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ عورت کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کے خاوند کا ہے۔ میں نے پوچھا مرد کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کی ماں کا۔،،(4)۔

اس کے علاوہ بھی کتاب و سنت میں جابجا ایسے دلائل موجود ہیں جنہیں خاوند کے حقوق کے بارے میں بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے مطابق خاوند کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہیں۔

1۔النساء34۔

2۔البقرہ 228۔

3۔سنن ترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المراۃ، ج3ص457، حدیث 1159۔

4۔حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری، م405ھ۔المستدرک علی الصحیحین۔ محقق مصطفی عبدالقادر عطاء، بیروت: دارالکتب العلمیہ، طبع اول 1411ھ، کتاب البر والصلہ، ج4ص167، حدیث 7244۔

1۔ حق قوامیت:

خاوند اور بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اس حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد کی جائیں، چنانچہ اپنی فطری برتری، بھرپور جسمانی صلاحیتوں اور مالی ذمہ داریوں کے لحاظ سے اس حق سربراہی کے لیئے مرد ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ اس لیئے گھر کی سربراہی مرد کو دے کر اس پر بھاری ذمہ داریاں بھی ڈالی گئیں، اور بیوی کو اس کی سربراہی تسلیم بھی کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس پس منظر میں ارشاد فرمایا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (1)۔

،،مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں۔ مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔،،

اس آیت میں جہاں مرد کے حق قوامیت کو بیان کیا گیا ہے، وہیں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے ذمہ دار، سربراہ اور سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں، اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ خانگی امور کی انجام دہی کے لیئے اسلام نے مرد کو گھر کا رکھوالا یا منتظم بنایا ہے، کیونکہ وہ اپنا مال خرچ کر کے عورت کو بیاہ کر لاتا ہے، اس کے لیئے گھر اور دیگر آسائشیں فراہم کرتا ہے۔ وہ اپنی شریک حیات کیلیئے بے انتہاء مشقتیں برداشت کرتا ہے تو ظاہر ہے اسے گھر اور خاندان پر قائدانہ اختیارات بھی حاصل ہوں گے۔ خانگی نظم کو برقرار رکھنے کے لیئے ضروری ہے کہ زوجین میں سے ایک کو بااختیار بنایا جائے، کیونکہ اگر دونوں کا درجہ مساوی اور اختیارات کو برابر تسلیم کیا جائے تو بدنظمی پیدا ہونے کا خدشہ ہے، اور اس کی عملی مثالیں ہمیں ان معاشروں میں نظر بھی آتی ہیں جہاں کے خانگی نظام میں عملاً زوجین کے درمیان مساوات کی کوشش کی گئی ہے۔ سید مودودیؒ لکھتے ہیں۔

،،اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لیئے اس نے انسانی فطرت کا لحاظ کر کے زوجین میں سے ایک کو قوام اور صاحب امر اور دوسرے کو مطیع اور ماتحت بنانا ضروری سمجھا، اور قوامیت کے لیئے اس فریق کا انتخاب کیا جو فطرتاً یہی درجہ لیکر پیدا ہوا ہے۔،،(2)۔

1۔ النساء 34۔

2۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ حقوق الزوجین۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1972ء، ص 30۔

حق قوامیت کی حدوداور اس کا بے جا استعمال:

اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا نگران اور منتظم بنایا ہے، وہ اصلی یا مجازی خدا نہیں ہے۔ اس لیئے اسلام کے عائلی نظام میں مرد کو جو حق قوامیت حاصل ہے، وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ حدود ہیں۔ خاوند ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی اپنے حق قوامیت کو استعمال کر سکتا ہے۔ خاوند اپنی اہلیہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے منافی کوئی حکم نہیں دے سکتا، مثلاً وہ اسے فرائض کی ادائیگی سے نہیں روک سکتا اور نہ ہی کسی گناہ والے کام کا حکم دے سکتا ہے۔ اس لیئے کہ شوہر کی حیثیت حاکم کی سی ہے اور اللہ کی نافرمانی میں تو حاکم وقت کی بھی اطاعت جائز نہیں ہے اور امام بخاریؒ نے روایت کی ہے۔

،،اطاعت کرنا اس وقت تک حق ہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے لیکن گناہ کا حکم دیا جائے تو فرمانبرداری اور اطاعت نہیں کی جا سکتی۔،،(1)۔

عصر حاضر میں بہت سے خاوند اپنے حق قوامیت کا بے جا استعمال کرتے ہوئے اسے بیوی کے استحصال کا ذریعہ بنالیتے ہیں، قوامیت کے حق کو وہ مطلق العنان حاکم اور ڈکٹیٹر کے اختیارات کی طرح استعمال کرتے ہیں، اور بیوی کو اپنی رفیقہ حیات کے بجائے اپنی لونڈی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں زبان اور ہاتھ کا بے جا استعمال شروع کر کے گالم گلوچ اور مار پٹائی پر اتر آتے ہیں، حالانکہ قوامیت کا مطلب بیوی پر حکمرانی کا نہیں بلکہ اس کی نگرانی کا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک رقمطراز ہیں۔

،،لوگ بالعموم قوام کا ترجمہ ایک درجہ برتر ،، کرتے ہیں، حالانکہ قوام کا لفظ اقامہ سے نکلا ہے۔ اقامہ کے معنی ہیں کھڑے ہو جانا، جہاں تک قوام کے معنی کا تعلق ہے تو اس لفظ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مرد کو عورت پر ایک درجہ برتری یا فضیلت حاصل ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں ایک درجہ زیادہ ہیں۔،،(2)۔

آج کل ہمارے ملک میں بیشتر ازدواجی مسائل خاوند کی طرف سے اپنے حق قوامیت کے بے جا استعمال اور اس کی غلط تشریح کی وجہ سے جنم لے رہے ہیں، جن میں خواتین پر بے جا تشدد، مہر سے محروم کر دینا اور وراثت نہ دینا وغیرہ شامل ہیں۔

حق قوامیت کا بے جا استعمال کرتے ہوئے مردانگی کا بے جا اظہار بہت سے مسائل کو جنم دیتا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے خاوند خانگی امور میں اپنی بیوی سے کوئی مشورہ نہیں کرتے اور اپنی رائے کو ہی عقل کل سمجھتے ہیں، اس وجہ سے بھی ازدواجی زندگی میں تلخیاں جنم لیتی ہیں اور یہ رویہ خلاف سنت بھی خلاف ہے اس لیے کہ مشورہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور نبی ﷺ

1۔ صحیح بخاری، باب السمع والطاعۃ للامام، ج4ص49، حدیث 2955۔

2 ۔ذاکر نائیک، ڈاکٹر عبدالکریم۔ اسلام میں خواتین کے حقوق جدید یا فرسودہ۔ مترجم سید امتیاز احمد، لاہور: دارالنوادر، 2006ء، ص38۔

کی جاتی ہے۔ بہت سے گھرانوں میں اس حق کی آڑ میں بیوی کے ساتھ ہمیشہ حاکمانہ اور توہین آمیز لب و لہجے میں بات کی جاتی ہے، ایسا طرز عمل نہ صرف اس حق سے تجاوز ہے بلکہ یہ بیوی کے حسن معاشرت کے حق کی عدم ادائیگی بھی ہے۔

2۔ حق زوجیت :

شوہر کی جنسی خواہشات کا پورا کرنا بیوی کی ذمہ داری ہے۔ عورت کا فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق اس کا حق زوجیت ادا کرے، کیوں کہ میاں بیوی کا تعلق بڑا پر کشش ہے۔ آپس میں ان کی جو طبعی خواہش ہوتی ہے، وہ یہ دونوں صرف ایک دوسرے سے ہی پوری کر سکتے ہیں۔ اس لیئے یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کو خواہش ہو تو دوسرا اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرے، اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے اس فطری بشری تقاضے کو پورا نہیں کریں گے تو یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ حق زوجیت اگر چہ بیوی اور خاوند دونوں کا مشترکہ حق اور ضرورت ہے، لیکن مرد کی ضروریات اس حوالے سے شاید کچھ زیادہ ہوتی ہیں، اس لیئے احادیث میں زیادہ تر اسے خاوند کے حقوق کے ذیل میں شمار کیا گیا ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ نہ آئے تو شوہر اس پر غصے میں رہے تو ساری رات صبح تک فرشتے اس (عورت) پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔"(1)۔

بیوی سے ازدواجی تعلقات کے ذریعہ مرد عفت اور پاکدامنی حاصل کرتا ہے۔ تو جو بیوی مرد کے حقوق پورا کرنے میں سستی کرتی ہے وہ درحقیقت اپنے خاوند کو گناہ پر چلانے کا سبب بن سکتی ہے اس لیئے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتی ہے۔

ازدواجی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بیوی اور خاوند کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیتی ہے۔ ان حقوق میں کوتاہی اگر خاوند کی جانب سے ہو تو بیوی کے دل میں بدگمانی کے ساتھ ساتھ خاوند سے نفرت بھی پیدا ہو جاتی ہے، اور اگر ایسا بیوی کی جانب سے تو بھی مرد کے دل میں بدگمانی اور نفرت جنم لینے لگتی ہے۔ نکاح کے وجہ سے ایک جوڑا رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتا ہے تو اس کا مقصد صرف یہی نہیں ہوتا کہ انھوں نے زندگی بھر ایک دوسرے کے ساتھ ملازموں کی طرح مل جل کر رہنا ہے بلکہ بیوی اور خاوند کا ایک دوسرے کے ساتھ ایک جسمانی تعلق بھی ہوتا ہے، جب یہ زوجین ایک دوسرے کے جسمانی حقوق ادا کرتے رہیں گے تو اس سے ان کے جذبات کی تسکین ہوتی رہے گی۔

میاں بیوی کے جنسی تعلقات محض دنیاوی تلذذ ہی نہیں ہیں بلکہ ان پر اجر و ثواب بھی ہے، کیونکہ یہ زوجین کو بہت سے گناہوں سے بچانے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ خاوند کے ازدواجی حقوق پورا کرنا اتنا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

1۔ صحیح مسلم، باب تحریم امتناعہا من فراش زوجہا، ج2ص1060، حدیث 1436۔

خاوند کے انھی حقوق کی وجہ سے بیوی کو خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنے سے بھی منع فرمایا۔
مرد کے حق زوجیت کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ اس کی بیوی اس کے سامنے بن سنور کر رہتا کہ اس کی توجہ کسی اور عورت کی طرف نہ ہونے پائے اور حتی الامکان شوہر سے اپنی محبت کا اظہار کر کے اسے اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کرے۔

حق زوجیت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

حق زوجیت کی رو سے خاوند کو اپنی اہلیہ کے ساتھ جنسی تلذذ کا جو حق حاصل ہے اس سے تجاوز کرتے ہوئے وہ اپنی بیوی سے حیض اور نفاس کے ایام میں جبری یا رضامندی کے ساتھ جماع کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لیئے کہ ان ایام میں بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے خود نص قرآن کی رو سے ممانعت آئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔
وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ (1)۔ ،،جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں تو ان کے قریب (جماع کیلئے) مت جاؤ۔،،
اس آیت میں واضح طور پر نا پاکی کے ایام میں خاوند کے حق جماع کو روکا گیا ہے اس لیئے کوئی بھی ان ایام میں اپنے حق زوجیت کا مطالبہ اور اس کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ البتہ ان ایام میں وہ آپس میں بوس و کنار وغیرہ کر سکتے ہیں، اور رسول ﷺ نے فرمایا۔
،،جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی، یا اپنی بیوی کے ساتھ حالت حیض یا دبر میں وطی کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کا انکار کیا۔،،(2)۔

خاوند کے لیئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ حق زوجیت کا سہارا لے کر لواطت کا ارتکاب کرے کیوں کہ یہ ممنوع عمل ہے اور اس لواطت کے عمل کی وجہ سے قوم لوط کو نشان عبرت بنایا گیا جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (3)۔،،تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو جیسے چاہو ان کے پاس آؤ۔،،
اس آیت میں کھیتی کا استعارہ اس جانب اشارہ کر رہا ہے کہ جماع ایسی جگہ ہو جہاں سے اولاد پیدا ہو سکے اور ظاہر ہے حالت حیض میں جماع اور لواطت سے حصول اولاد کا قرآنی مقصد پورا نہیں ہوتا اس لیئے یہ عمل بھی ناجائز ہے اور اس کا مرتکب حق زوجیت سے تجاوز کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص جنسی تلذذ کے لیئے بھی کوئی بھی غیر فطری طریقہ اختیار کرے، یا

1۔ البقرہ222۔

2۔ سنن ابو داؤد، باب فی الکاہن، ج4ص15، حدیث 3904۔

3۔البقرہ223۔

دوران جماع کوئی ایسا عمل کرے جیسے طریقے آج کل مغربی ممالک میں رواج پا رہے ہیں تو وہ بھی نا جائز اور حق زوجیت کا بے جا استعمال شمار ہوں گے۔

حق زوجیت۔ خاوند کے ساتھ ساتھ بیوی کا بھی حق ہے اس لیے ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں سب کے ساتھ دیگر معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی عدل ضروری ہے اور ایسا نہ کرنا اپنے حق زوجیت کے بے جا استعمال کے زمرے میں آ کرنا جائز ہوگا۔ بیوی کے اس حق کے تحفظ کی خاطر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر بیوی خاوند کے جسمانی عیب کی وجہ سے اس حق سے محروم ہو تو وہ تنسیخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس لیئے کسی خاوند کے لیئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شرعی مجبوری یا اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ جماع میں لمبے عرصے تک رکا رہے۔

مذکورہ کا لمعلقہ سے استدلال کر کے فقہاء نے لکھا ہے کہ ،،خاوند کے لیے بیوی سے وطی علیہ ہے۔،،(1)۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے خاوند اپنی مصروفیات کی وجہ سے بیویوں پر کم توجہ دیتے ہیں، حالانکہ بیوی کو مسلسل توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاوند کا بیوی کی طرف متوجہ نہ ہونا اپنے اس حق سے تجاوز کے ساتھ ساتھ گھریلو سکون واطمینان کو ختم کرنے کا بھی بن جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے رویوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔

،،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خویلہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا میرے پاس آئیں تو ان کی پراگندہ حالت اور بگڑی صورت دیکھ کر رسول اللہ نے مجھ سے پوچھا، عائشہ خویلہ نے ایسی حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ عورت جس کا خاوند دن بھر روزہ سے ہو اور رات بھر نماز پڑھتا ہو تو اس کے شوہر کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، لہذا اس نے خود کو اسی حالت پر چھوڑ کر ضائع کر دیا۔ پھر رسول اللہ نے عثمان بن مظعون کو بلا کر فرمایا، عثمان کیا میری سنت سے رغبت ورکھی نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول آپ کی سنت کی ہی تلاش میں رہتا ہوں، آپ نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی ادا کرتا ہوں، (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثمان اللہ سے ڈرو تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے تم پر تمہاری جان کا حق ہے (نفلی) روزے بھی رکھو اور انھیں ترک بھی کرو نماز بھی ادا کرو اور سویا بھی کرو۔،،(2)۔

1۔ جصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي، م370ھ۔ احکام القرآن۔ محقق، محمد صادق القمحاوي، بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1405ھ، باب حق الزوج علی المراہ وحق المراۃ علی الزوج، ج2ص68۔

2۔ مسند احمد، باب مسند الصدیقہ عائشہ بنت صدیق، ج43، ص355، حدیث 26309۔

3۔ساتھ رکھنے کا حق:

شوہر کو اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حق بھی حاصل ہے۔شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ اپنی طرف سے مہیا کی جانے والی رہائش گاہ میں لے جا کر رکھنے کا حق رکھتا ہے۔بیوی خود یا اس کے والدین وغیرہ اس بات پر پابندی نہیں لگاسکتے ،اور نہ ہی شوہر کی رضامندی کے بغیر جبری طور پر اسے بطور گھر داماد رہنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کی طرف سے اپنے سسر حضرت شعیب کی عائد کردہ شرط کے مطابق مقررہ سالوں میں ان کی خدمت اور بکریاں چرانے کے بعد اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر سسرال سے روانگی کا ذکر کرتے کہتا ہے۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ (1) ۔،،پھر موسیٰ نے وہ مدت پوری کی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے۔،،
اس آیت کی تفسیر میں قرطبی میں لکھا ہے۔

ہمکیو قول یہ کیا گیا ہے،اس میں دلیل ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جائے،اس لیئے مرد کو عورت پر قوامیت کی فضیلت اور درجہ کی زیادتی حاصل ہے،مگر اس صورت میں کہ خاوند بیوی کے لیئے اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر دے،مؤمن کی پہچان شرطوں کے پورا کرنے سے ہوتی ہے،جن شرطوں کو پورا کیا جاتا ہے ان میں سب سے پختہ شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم شرم گاہوں کو اپنے اوپر حلال کرتے ہو(مہر مراد ہے)۔،،(2)۔

بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنا خاوند کی ذمہ داری بھی ہے اور اس کا حق بھی قرآن مجید میں طلاق رجعی دی گئی عورت کو عدت کے دوران اپنے ساتھ رکھنا مرد کا حق قرار دیا گیا ہے،تو عام حالات میں بیوی کو ساتھ رکھنا مرد کا بطریق اولیٰ حق ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (3)۔،،(مطلقہ عورتوں کو زمانہ عدت میں)وہیں رکھو جو جگہ تمہیں میسر ہو۔،،
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (4)۔،،اور ان(بیویوں)کے ساتھ بھلے طریقے سے بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔،،

1۔القصص 29۔

2۔قرطبی،ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر،م671ھ۔الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی۔،محقق احمد البردونی وابراہیم اطفیش ،قاہرہ:دار الکتب المصریہ،طبع ثانی1384ھ،1964ء،سورہ قصص آیت 29۔

3۔الطلاق6۔

4۔النساء19۔

بھلے طریقے سے زندگی بسر کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے ساتھ لے جا کر رہائش فراہم کرے۔ خاوند اگر بیوی کا مہر معجل ادا کردے اور اس کے لیئے ضروری رہائش کا انتظام کرلے تو پھر بیوی پر لازم ہے کہ وہ خاوند جہاں کہیں اسے رکھے وہ اس کے ساتھ رہے۔ بیوی اس سے انکار نہیں کرسکتی اور نہ ہی بیوی کے والدین گھر داماد بنانے پر مجبور کرسکتے ہیں۔

ساتھ رکھنے کے حق کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

خاوند کو اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر اس نے بیوی کا مہر معجل ادا نہ کیا ہو تو وہ اپنے اسے اپنے ساتھ رکھنے کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اس لیئے کہ مہر بیوی کا ایسا حق ہے کہ جس کی عدم ادائیگی پر بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے سے روک لے۔ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ اپنے اس حق کا بے جا استعمال ہوگا۔ اگر اس نے بیوی کے لیئے ضروری رہائش کا بندوبست نہ کیا ہو تب بھی وہ یہ مطالبہ نہیں کرسکتا اس صورت میں بھی اس کا اس چیز کو اپنا حق سمجھنا بے جا ہوگا قرآن مجید میں طلاق رجعی والی بیوی کیلئے رہائش مہیا کرنے کا حکم دیتے ہوئے من وجدکم کے جو الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ شوہر اگر اپنی مالی حیثیت سے کم درجے کی رہائش فراہم کرے اور کنجوسی کرے تو یہ بھی اس حق کا بے جا استعمال متصور ہوگا۔

خاوند اپنے اس حق کی رو سے بیوی کو علیحدہ رہائش فراہم کرنے کے بجائے مشترکہ خاندانی نظام (جوائنٹ فیملی سسٹم) میں اپنے والدین وغیرہ کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں سب کو اکھٹا رہنے پر بھی مجبور نہیں کرسکتا اگر ایسے کرے گا تو یہ بھی اس حق کا بے جا استعمال متصور ہوگا، ہاں اگر بیوی خود اجازت دے تو پھر جائز ہے، اس لیئے کہ علیحدہ رہائش بیوی کا مسلمہ و متفقہ حق ہے۔،،(1)۔

مشترکہ رہائشی نظام کے بارے میں ڈاکٹر شاہدہ پروین رقمطراز ہیں

،، مشترک خاندان کا دینی مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ایک شخص جس طرح اپنی بیوی بچوں کی کفالت اور نان نفقے کا پابند ہے، اسی طرح بوڑھے والدین اور زیر دست بہن بھائیوں کی کفالت اور ان کی معاشی ضروریات کا پابند ہے۔ یہ سب افراد اس کے خاندان کا حصہ ہیں قرآن مجید کی متعدد تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر فرد کا ایک الگ گھر ہونا چاہیے جہاں وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آزادی اور خود مختاری کے ساتھ رہے۔،،(2)۔

1۔ عینی، ابو محمد محمود بن احمد، بدرالدین عینی، م855ھ۔ البنایہ شرح الھدایہ۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع اول1420ھ، 2000ء، فصل [illegible] علی زوجها، ج5 ص681۔ 2۔ ڈاکٹر شاہدہ، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، ص458۔

4۔ حق حفظ ناموس:

خاوند کی عزت و ناموس کی حفاظت بیوی کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ بیوی جب اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہے تو دراصل وہ اپنے شوہر کا حق ادا کر رہی ہوتی ہے اس لیئے کہ بیوی کا پاکدامن ہونا بیوی کی ذمہ داری اور شوہر کا حق ہے۔ بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ پیار، محبت میں مخلص ہونا چاہیے۔ اسے اپنے شوہر کی عزت و ناموس کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح وہ شوہر کی عزت کا خیال اس کی موجودگی میں رکھتی ہے اسی طرح اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مرد کے حق قوامیت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (1)۔

،، چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں۔ مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق) کی حفاظت کرتی ہیں۔،،

،، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے ذمہ خاوند کے جو حقوق لگائے ہیں، ان کی پاسداری کرتی ہیں۔ اس طرح ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کے حقوق کا خیال رکھتی ہیں۔ امام سدیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان عورتوں کو اپنی ذات کی حفاظت کا جو حکم دیا ہے، وہ عورتیں اس کی تعمیل کرتی ہیں، چنانچہ وہ خاوند کے واپس آنے تک ان کے مال اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھتی ہیں۔ اور حکم خداوندی کی تعمیل کرتی ہیں۔،، (2)۔

عزت و ناموس کی حفاظت کے لیئے بیوی کے لیے لازمی ہے کہ اپنے خاوند کا حق اور اللہ کا حکم سمجھ کر اپنے خاوند کی عدم موجودگی میں کسی اجنبی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے، کسی بھی غیر محرم کے سامنے آنے سے اجتناب کرے، مکمل شرعی پردے کا اہتمام کرے اور بلا کسی اشد مجبوری کے گھر سے باہر جانے سے اجتناب کرے، غیر محرم کے ساتھ نرم و نازک لب و لہجے میں گفتگو سے اجتناب کرے، اسے فون اور سوشل میڈیا یا کسی بھی طرح غیر محرم سے تعلقات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور بوائے فرینڈ جیسی لعنتوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ حرام محبتیں حلال رشتوں کی قدر ختم کر دیتی ہیں بیوی کو چاہیے کہ وہ خاوند کے رازوں اور ازدواجی زندگی کے معاملات کی پردہ پوشی کرے۔ اور رازوں کو فاش نہ کرے۔ اس لیئے کہ قرآن مجید میں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ بیوی کی ناموس دراصل شوہر کی ناموس ہے اور بیوی کو اپنی ناموس کی حفاظت اللہ کا حکم اور شوہر کی امانت سمجھ کر کرنی چاہیے۔ حدیث میں صراحت کے ساتھ بیوی کی ناموس

1۔ النساء 34۔

2۔ معاویہ، ہارون، شوہر کے حقوق اور بیوی کی ذمہ داریاں، لاہور: بیت العلوم، 2009ء، ص 217۔

کو شوہر کی اصل۔ کہا گیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی اس بارے میں متعدد روایات میں سے ایک یہ ہے۔

،،یہ بھی اصل ہے کہ عورت اپنی شرم گاہ کی امین بنائی گئی ہے۔،،(1)۔

حق حفظ ناموس کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

عصر حاضر میں اس حق کا بے جا استعمال اور اس سے تجاوز بہت بڑھ رہا ہے۔ بلاشبہ خاوند کو حفظ ناموس کا حق حاصل ہے، لیکن اس حق کو بنیاد بنا کر وہ بغیر کسی معقول وجہ کے بیوی کے کردار پر شک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ضروری امور کے لیئے گھر سے باہر جانے سے روکا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان خاوند کیلئے بہترین مثال واقعہ افک میں موجود ہے آنحضرت ﷺ نے منافقین کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا پر تہمت لگانے کے باوجود ان کے کردار پر شکوک و شبہات کا اظہار نہیں فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی (ضمضم بن قتادہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (اپنی بیوی پر شک کرتے ہوئے) عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میری بیوی نے ایک کالے رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے، تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا سرخ رنگ کے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا ان میں خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا اس کے خاندان میں شاید کوئی خاکی رنگ کا ہو گا فرمایا شاید تمہارے اس بچے کے خاندان میں بھی کوئی اس رنگ کا ہو گا۔،،(2)۔

خاوند کو اپنی بیوی کے حوالہ سے غیرت ضرور کرنی چاہیے لیکن یہ غیرت اعتدال کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ جہاں معقول بات ہو ضرور غیرت کرے لیکن بلاوجہ شک کرتے ہوئے غیرت کھا کر کوئی اقدام اٹھانا حق حفظ ناموس سے تجاوز کے زمرے میں آئے گا۔ نبی کریم ﷺ نے بلاوجہ غیرت کی ممانعت کرتے ارشاد فرمایا۔

،،بعض غیرتیں اللہ کو پسند ہیں اور بعض ناپسند وہ غیرت جو اللہ کو پسند ہے وہ ہے جو (معقول) شک کی بنا پر ہو اور جو ناپسند ہے وہ وہ ہے جو (معقول) شک کے بغیر ہو۔(3)۔

1۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد، م235ھ۔ الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار۔ محقق کمال یوسف الحوت، ریاض: مکتبۃ الرشد، طبع اول1409ھ، باب من قال اؤتمنت المراۃ علی فرجھا، ج4، ص 200۔

2۔ صحیح بخاری، باب اذا عرض لنفی الولد، ج7ص53، حدیث 5305۔

3۔ ابوداؤد، باب الخیلاء فی الحرب، ج3ص50، حدیث 2559۔

ہمارے معاشرے میں خاوند کی جانب سے اپنے اس حق سے تجاوز اور اس کے بے جا استعمال کی بہت سی مثالیں اور صورتیں سامنے آرہی ہیں، ان کے نتیجے میں بیویوں پر تشدد، طلاق اور قتل تک نوبت جا پہنچی ہے۔ بلاشبہ غیرت کا یہ جذبہ ہے، لیکن دیگر تمام جذبوں کی طرح اگر یہ بھی حد سے بڑھ جائے تو برائی بن جاتا ہے۔ لہذا یہ حد سے بڑھی ہوئی غیرت جو ذرا سے شک پر بیوی کو قتل کرنے اور تشدد کا نتیجہ بنتی ہے، قطعا درست نہیں ہے۔

بہت سے خاوند اپنی بیویوں کو ایسے اقدامات میں ملوث دیکھتے ہیں جو مستقبل میں ان کی عزت وناموس کے لیے چیلنج بن سکتے ہیں لیکن وہ خاموش رہتے ہیں، ایسے موقع پر مناسب حدود میں رہتے ہوئے اپنے اس حق کو زیر استعمال نہ لانا بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ ایسے موقع پر ڈھیلا پن دکھانا دیوث اور بے غیرت بن جانے کے مترادف ہے جس کی ممانعت ہے۔

،،رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تین طرح کے لوگوں کی جانب اللہ تعالی قیامت کے دن نہیں دیکھے گا یعنی تو وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرے اور دوسرے وہ عورت جو کہ مردوں کا ساحلیہ بنائے اور تیسرے وہ دیوث شخص جو کہ بیوی کو دوسرے کے پاس لے کر جائے اور تین طرح کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یعنی تو نافرمانی کرنے والا شخص یعنی والدین کی نافرمانی کرنے والا شخص اور دوسرے ہمیشہ شراب پینے والا مسلمان اور تیسرے احسان کر کے جتلانے والا،،۔(1)۔

5۔ حق شکرو سپاس:

بیوی کو اپنے خاوند کا شکر گذار رہنا چاہیے، کیونکہ یہ اس کی زندگی کا سہارا اور راہ حیات کا عظیم معین و مددگار ہے۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی بیوی کے لیئے رہائش، خوراک، لباس اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتا ہے، لہذا بیوی کو شوہر کا شکر گذار ہونا چاہیے، اور اس کی ناشکری سے بچتے ہوئے اللہ تعالی سے اس کے لیئے دعا گو رہنا چاہیے۔ بیوی کو ہمیشہ یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ ازدواجی زندگی تو خاوند کی طرح اس کی بھی ضرورت اور مجبوری تھی لیکن اس کی تمام ضروریات تو صرف خاوند اکیلا پوری کر رہا ہے اس لیئے شکر گذاری اس کا حق تھا ہے، اور یہ بھی کہ ناشکری بیوی کے لیئے دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ بخاری کی ایک تفصیلی روایت کا یہ حصہ یوں ہے۔

،،اے عورتو، کثرت کے ساتھ صدقہ کرو میں نے جہنمیوں میں زیادہ تر تمہیں دیکھا ہے، عورتوں نے سوال کیا ایسا کیوں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔،،(2)۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

1نسائی، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علي الخراساني، النسائي، م303ھ۔ سنن صغری۔ محقق أبو غدة، حلب: مکتب المطبوعات الإسلامية، طبع ثانی 1406ھ، 1986ء، باب المنان بما أعطی، ج5ص80، حدیث 2562۔

2۔ صحیح بخاری، باب ترک الحائض الصوم، ج1ص68، حدیث 304۔

،،مجھے جہنم دکھائی گئی تو دیکھا کہ اس میں اکثر ایسی عورتیں ہیں، جنھوں نے ناشکری کی،(لوگوں کی طرف سے) پوچھا گیا اللہ کی ناشکری؟ آپ ﷺ نے فرمایا شوہر کی ناشکری اور احسانات کو فراموش کردینا، اگر تم ان میں سے کسی کیلیے عرصے تک احسان کرتے رہو، پھر تم سے کوئی بات خلاف مزاج دیکھ لے، تو کہہ دے گی کہ میں نے تو تم سے کبھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں دیکھی۔،،(1)۔

اسلام میں خاوند کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اس کی بیوی اس کی طرف سے مہیا کی گئی سہولتوں و نعمتوں اور جیون ساتھی ہونے کے باعث اس کی شکر گذار رہے۔ کیونکہ شکر گذاری ایسا بہترین وصف ہے، جو رشتوں میں مضبوطی اور نعمت میں اضافے کا باعث ہے۔ اس لیئے کہ جو بیوی اپنے شوہر کا شکرادا نہیں کرتی اور ہمیشہ ناشکری رہتی ہے، تو ایسے گھرانے میں بیوی میاں کے درمیان محبت اور مودت باقی نہیں رہ سکتی، جس کے نتیجے میں بالآخر شوہر سے اس کا نبھاؤ نہیں ہو پاتا۔ حق شناسی اور شکر گذاری پسندیدہ اور نیک اخلاق میں شمار ہوتی ہے، اور یہ شوہر کو نیکی اور احسان کی طرف مائل کرنے کا بڑا ذریعہ بھی ہے۔ یہ اتنا ضروری اور اہم عمل ہے کہ رب العالمین جیسی بے نیاز ذات بھی اپنے شکر کو نعمتوں میں اضافے کا سبب قرار دیتی ہے، تو یقیناً خاوند کی شکر گزاری بیوی کیلیے آسائشوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ خاوند کے دل میں بیوی کی محبت اور وقار میں اضافہ کرے گی۔

حق تشکر وسپاس کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بیوی کی جانب سے خاوند کی شکر گذاری بلاشبہ خاوند کا حق ہے، لیکن خاوند کو اس حق کا بے جا استعمال کرتے ہوئے بیوی کی جانب سے روزمرہ منہ پر تعریف اور خوشامد کروانے کی عادت اور معمول نہیں بنالینا چاہیے، اور نہ ہی احسان جتلانے کی روش سے اجر وثواب کو ضائع کرنا چاہیے، یہ اس حق کا بھی بے جا استعمال ہے قرآن وحدیث میں اسکی ممانعت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (2)۔

،،اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر ضائع نہ کرو۔،،

،،تین افراد سے اللہ تعالی قیامت کے دن بات تک نہیں کریں گے، وہ احسان جتلانے والا جو جو کچھ بھی دے اس پر احسان جتلاتا ہے، اپنے سامان کو جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرنے والا، اور اپنی شلوار کو ٹخنوں پر لٹکانے والا۔،،(3)۔

1۔ صحیح بخاری، باب کفران العشیر وکفر دون کفر، ج1ص15، حدیث 29۔

2 ۔البقرہ265۔

3۔ صحیح مسلم، باب بیان غلظ اسبال الازار، ج1ص102، حدیث 106۔

6۔ حق حفاظت املاک:

شوہر کا یہ حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی موجودگی میں بالعموم اور اس کی عدم موجودگی میں بالخصوص اس کی املاک کی حفاظت کرے۔ بیوی اپنے شوہر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر صرف نہیں کر سکتی۔ فضول خرچی تو در کنار بیوی اپنے شوہر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر صدقہ بھی نہیں کر سکتی۔ اور زیادہ قیمتی اشیاء تو دور کی بات ہے کھانے پینے کی اشیاء بھی اس کی اجازت کے بنا کسی کو دینے کی مجاز نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

،،کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر صرف نہ کرے، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کھانا بھی نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔،،(1)۔

،،کسی عورت کے لیئے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر (خاوند کے مال میں سے) عطیہ کرنا جائز نہیں ہے۔،،(2)۔

شوہر کے مال کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اس سے فضول اور ناجائز مطالبات نہ کرے۔ اس کے مال کو ضائع نہ کرے۔ اس کے مال میں فضول خرچی نہ کرے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (3)۔ ،،یقینا فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔،،

خاوند کا یہ حق ہے کہ اس کی بیوی آمدن اور خراجات کے درمیان توازن پیدا کرنے کے لیئے اس کا ساتھ دے۔ بیوی کو اس مسئلے میں خاوند سے تعاون اس لیئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات فضول خراجات پورا کرنے کے لیئے حرام ذرائع آمدن اختیار کرنے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ بیوی کو گھر کے خراجات میں میانہ روی سے کام لینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

،،میانہ روی (سے خراجات کو چلانا) نصف معیشت (کا حل) ہے۔،،(4)۔

بیوی کی حیثیت خاوند کے مال میں امین کی سی ہے، اور امانت میں خیانت ناجائز ہے۔ ارشادات نبوی ﷺ کی رو سے امانت میں خیانت کرنا بندہ مومن کی شان نہیں منافقت کی نشانی ہے۔ اس لیئے بیوی کو اس معاملہ میں احتیاط کرنی چاہیے۔

1۔ سنن ترمذی، باب من نفقۃ المراۃ من بیت زوجھا، ج3 ص48، حدیث 670۔

2۔ سنن نسائی، صدقۃ المراۃ من بیت زوجھا، ج5 ص65، حدیث 2540۔

3۔ بنی اسرائیل 27۔۔

4۔ شعب الایمان، باب الاقتصاد فی النفقۃ و تحریم اکل المال، ج8 ص503، حدیث 6148۔

حق حفاظت املاک کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بلاشبہ خاوند کے مال کی حفاظت بیوی کی ذمہ داری ہے، لیکن اس حق کو بنیاد بنا کر خاوند بیوی کے نفقے میں کمی کوتاہی نہیں کر سکتا یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے کیونکہ قرآن مجید میں اپنی مالی وسعت کے مطابق نفقہ کو خاوند کی ایسی ذمہ داری کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو نکاح سے لیکر طلاق یا کسی ایک کی موت تک باقی رہتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ (1)۔ ،، ہمیں معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے بارے میں فرض کیا ہے۔،،

خاوند معمولی اشیاء کے ٹوٹنے یا ضائع ہو جانے پر بیوی کے ساتھ الجھنے کا حق نہیں رکھتا۔ احادیث میں آنحضرت کی موجودگی میں ازواج مطہرات کے ہاتھوں برتنوں کے ٹوٹنے کے کئی واقعات آئے ہیں مگر نبی ﷺ نے نہ تو غصہ کیا اور نہ نفقہ میں کمی کی۔ ،، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کسی بیوی کے پاس تھے کہ آپ کی دوسری کسی بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا، جس بیوی کے آپ گھر تھے اس نے غلام کے ہاتھ پر مارا جس سے وہ رکابی گر کر ٹوٹ گئی، نبیؐ نے اس رکابی کے ٹکڑے جمع کیے، پھر اس رکابی میں جو کھانا تھا اسے سمیٹتے جاتے اور کہتے جاتے تمہاری ماں (بیوی) نے بھی ایسی ہی غیرت کھائی تھی، پھر آپؐ نے خادم کو ٹھہرا لیا اور جس بیوی کے آپ گھر میں تھے اس سے دوسری رکابی منگوا کر اس کو دی جس کی رکابی ٹوٹی تھی اور ٹوٹی ہوئی رکابی ان کے گھر رکھ دی جنہوں نے رکابی توڑی تھی۔،، (2)۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے خاوند گھریلو اخراجات میں اپنی مالی وسعت کے باوجود کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور بیویوں کی جائز ضروریات پر خرچ کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ اس صورتحال میں بیویوں کو اپنی معاصر خواتین کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے والدین کے ہاں چلے جانے یا طلاق کا مطالبہ کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ خاوند کی جانب سے اپنے اس حق کے بے جا استعمال کے ساتھ ساتھ بیوی کے حق نفقہ میں بھی کوتاہی ہے۔

7۔ حق پرورش وتربیت اولاد وامور خانہ داری:

خاوند کا یہ حق ہے کہ اس کی بیوی اپنے اور اس کے مشترکہ بچوں کی پرورش اور تربیت کرے۔ اس سلسلہ میں اس کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دو سال تک بچے کو دودھ پلائے اور یہ حکم اس کے لیے اللہ کی کتاب سے ثابت شدہ ہے چنانچہ قرآن مجید میں بچوں کو دودھ پلانے کی ذمہ داری ماؤں پر عائد کی گئی ہے۔

1۔ الاحزاب 50۔

2۔ صحیح بخاری، باب الغیرہ، ج7 ص36، حدیث 5225۔

صحیح ابن خزیمہ کی وہ روایت - جس میں آنحضرت ﷺ کو دوزخ دکھائے جانے کا ذکر ہے اس میں آپ ﷺ نے جہنم کے احوال میں یہ بھی بتلایا کہ میں نے۔،، کچھ ایسی عورتوں کو دیکھا کہ جن کی چھاتیوں کو سانپ ڈس رہے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا ان کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ اپنے بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتی تھیں۔،،(1)۔

بچوں کی تربیت اور تعلیم کا خیال رکھنا بھی ماں کی ذمہ داری ہے۔ اس دوران پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرتے ہوئے اپنا یہ فرض ادا کرنے پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ماں کی گود چونکہ بچے کی اولین درسگاہ ہے اس لیئے بیوی کی ذمہ داریاں تربیت اولاد کے حوالہ سے بہت زیادہ اور اہم ہیں۔ جیسے جیسے بچے میں شعور پیدا ہوتا جائے اس کی قدم قدم پر مختلف امور میں رہنمائی بیوی کی ذمہ داری ہے۔ اس معاملہ میں اگرچہ بیوی خاوند دونوں کا کردار اہم ہے لیکن بیوی کی ذمہ داری اس لیئے زیادہ ہے کہ بچے زیادہ اس کے پاس ہوتے ہیں، کیونکہ والد تو عموماً کسب معاش کے لیئے گھر سے باہر رہتا ہے، اس لیئے بیوی کو چاہیے کہ وہ اولاد کو اللہ کی نعمت اور شوہر کی امانت سمجھ کر اس کی نگہداشت ، پرورش اور تربیت میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اور اس حوالہ سے ماں کے کردار کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

،، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری امی نے مجھے آواز دی اور رسول اللہ بھی ہمارے گھر تشریف فرما تھے۔ تو میری امی نے کہا آؤ میں تمہیں کچھ دوں گی، رسول اللہ نے میری والدہ سے پوچھا تمہارا کیا دینے کا ارادہ ہے؟ تو انھوں نے کہا کھجور۔ پھر آپؐ نے فرمایا اگر آپ اسے کوئی چیز نہ دیتیں تو آپ کے نامہ اعمال میں جھوٹ لکھا جاتا۔،،(2)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی محنت اور شوق سے گھر کے کام سرانجام دیتی تھیں، گھر کے کاموں میں چکی پیسنا، مشک میں پانی اٹھاکے لانا وغیرہ شامل تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے خدمت گار کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سارے اہل مدینہ کو غلام اور باندی میسر نہ آجائیں اس وقت تک میں آپ کو خدمتگار دینا پسند نہیں کرتا اور انھیں تسبیحات فاطمی کا تحفہ دیا اور یوں اپنی بیٹی کے گھریلو امور کی انجام دہی کو ساری امت کی بیویوں کے لیئے مثال بنادیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے گھر کے تمام امور سنبھالتی تھیں، یہاں تک کہ ان کے گھوڑوں کے معاملات کی بھی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ان کے الفاظ یوں ہیں۔
،، اسماء بنت ابو بکر (رض) کہتی ہیں کہ مجھ سے زبیر (رض) نے جب شادی کی تو نہ ان کے پاس مال تھا نہ زمین اور نہ لونڈی

1۔ ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن اسحٰق، م 311ھ۔ صحیح ابن خزیمہ۔ محقق محمد مصطفیٰ اعظمی، بیروت: المکتب الاسلامی، ت۔ن، باب ذکر تعلیق المفطرین الخ، ج 3 ص 237، حدیث 1986۔

2۔ سنن ابوداؤد، باب فی التشدید فی الکذب، ج 4 ص 298، حدیث 4991۔

غلام سوائے پانی کھینچنے والے اونٹ اور گھوڑے کے کچھ نہ تھا، زبیر (رض) کے گھوڑے کو میں چراتی تھیں، پانی پلاتی تھی، انکا ڈول سیتی تھی اور آٹا پیستی تھی البتہ روٹی پکانا مجھے نہیں آتا تھا میری روٹی انصاری پڑوسنیں پکادیا کرتی تھیں وہ بڑی نیک عورتیں تھیں، زبیر (رض) کی اس زمین سے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں دی تھی، میں اپنے سر پر چھوہاروں کی گٹھلیاں اٹھا کر لاتی، وہ مقام دو میل دور تھا ایک دن میں اپنے سر پر گٹھلیاں رکھے آرہی تھی کہ مجھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملے، آپ کے ہمراہ چند صحابہ رضوان اللہ عنہم بھی تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے پکارا پھر مجھے اپنے پیچھے بٹھانے کے لئے اونٹ کو اخ اخ کہا، لیکن مجھے مردوں کے ساتھ چلنے سے شرم آئی زبیر (رض) کی غیرت بھی مجھے یاد آئی کہ وہ بڑے غیرت والے ہیں، آپ نے جان لیا کہ اسماء کو شرم آتی ہے، چنانچہ آپ چل پڑے، زبیر سے میں نے آکر کہا کہ مجھے راستہ میں آپ ملے تھے، میرے سر پر گٹھلیوں کا گٹھا تھا اور آپ کے ہمراہ صحابہ تھے، آپ نے مجھے بٹھانے کے لئے اونٹ کو ٹھہرایا، تو مجھے اس سے شرم آئی اور تمہاری غیرت کو بھی میں جانتی ہوں، زبیر نے کہا اللہ کی قسم! مجھے تیرے سر پر گٹھلیاں لاتے ہوئے آپ کا دیکھنا آپ کے ساتھ سوار ہو جانے سے زیادہ برا معلوم ہوا اس کے بعد حضرت ابو بکر (رض) نے ایک خادم بھیج دیا تاکہ وہ گھوڑے کی نگہبانی میں میری مدد کرے، گویا کہ اس نے مجھے آزاد ہی کر دیا۔،،(1)۔

حق پرورش وتربیت اولاد وامور خانہ داری کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اسلام نے تربیت وپرورش اولاد کی ذمہ داری صرف بیوی پر عائد نہیں کی بلکہ اسے خاوند اور بیوی کی مشترکہ ذمہ داری قرار دیا ہے۔ اس لیئے اس ذمہ داری کو صرف بیوی کے کندھوں پر ڈال کر خود کو سبکدوش نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ اس میں اپنی بیوی کا بھرپور تعاون کرنا چاہیے۔ مدت رضاعت کے دوران بالخصوص بیوی کے لیئے اچھی خوراک کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر خاوند مدت رضاعت کے دوران بیوی کی خوراک، لباس اور دیگر بنیادی ضروریات پوری نہیں کرتا تو وہ اپنے اس حق کا بے جا استعمال کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ اس بارے میں نص قرآنی میں خاوند کی واضح ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا (2)۔

،،اور بچے کے والد کے ذمہ ان (دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق ہوگا، کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہیں دی جائے گی۔،،

1۔ صحیح بخاری، باب الغیرۃ، ج7 ص35، حدیث 5224۔

2۔ البقرہ 233۔

بیوی کے حقوق اور حدود اور معاصر مسائل:

بیوی کے حقوق کی بنیاد:

اسلام کے عائلی نظام میں بیوی کو خاوند کی طرف سے جو حقوق حاصل ہیں ان کی بنیاد بھی قرآن و حدیث ہے۔ اسلام میں بیوی کو مرد کی فطری ضرورت، اور اس کا اولین ساتھی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے حوالہ سے یوں حکم دیا گیا۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (1)۔ ،،اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو۔،،

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس پر بھرپور عمل فرمایا۔

،،تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ اچھا ہے۔ اور میں اپنی بیویوں کے لیئے بہت اچھا ہوں۔،،(2)۔

بیوی کو پیغمبر اسلام ﷺ نے دنیا کی بہترین نفع چیز قرار دیا ہے، اس لیئے اس کی قدر دانی اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی ضرورت واضح کی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

،،دنیا نفع اٹھانے کی جگہ ہے، اور سب سے بہترین نفع اٹھانے کی چیز نیک عورت ہے۔،،(3)۔

بیوی کے حقوق کی بنیاد اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔

،،جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ لوگو بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے، اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یوں ہی چھوڑ دوگے تو ہمیشہ ویسی ہی رہے گی۔ اس لیئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔،،(4)۔

ان ارشادات میں بیوی کو صنف نازک اور مرد کا جیون ساتھی قرار دے کر اس کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی و خیر خواہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پھر یہ بھی کہ بیوی کے حقوق کو محض کار ثواب اور نفلی امور میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ ان کی پاسداری کو دین کے دیگر فرائض کی طرح لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں بیوی کو مندرجہ ذیل بنیادی حقوق حاصل ہیں۔

1۔ النساء 19۔

2۔ جامع ترمذی، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ، ج5 ص709، حدیث 3895۔

3۔ صحیح مسلم، باب خیر متاع الدنیا، ج2 ص1090، حدیث 1467۔

4۔ صحیح بخاری، باب الوصاۃ بالنساء، ج7 ص26، حدیث 5185۔

1۔ حق مہر:

اسلام میں مہر کی حیثیت علیہ لازمی ہدیہ اور فرض کی ہے۔ مہر عورت کی عزت و توقیر کے اظہار اور اس کی مالی کفالت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ اسلام میں بیوی کو جو حقوق دیے گئے ہیں ان میں سرفہرست مہر کا حق ہے۔ اس کی حیثیت خاوند کی طرف سے ملکیہ لازمی تحفہ کی ہے جو خاوند پر بیوی کی عظمت کے اظہار اور اس کی قدر و منزلت کے اعتراف کے طور پر فرض کیا گیا ہے۔ نکاح کی وجہ سے جو مال یا منفعت چیز عورت کو دی جاتی ہے اسے مہر کہا جاتا ہے۔ اسلام نے مرد پر مہر کی ادائیگی کو فرض کیا ہے اور اس کی حیثیت معاوضہ یا اجرت کی سی نہیں ہے، چنانچہ فقہاء نے واضح کیا ہے۔

،، مہر عقد نکاح کی اہمیت کے اظہار کے لیئے مقرر کیا گیا ہے نہ کہ بطور معاوضہ کسی چیز کی اجرت اور قیمت کی طرح، اگر ایسا ہوتا تو شروع میں ہی (یعنی نکاح کے وقت) اس کا مقرر کرنا لازمی ہوتا۔،، (1)۔

قرآن مجید میں مہر کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن اسے مختلف ناموں الصداق، الاجر اور الفریضہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (2)۔ ،، اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔،،

مہر ایسی ذمہ داری ہے کہ اس سے سبکدوشی یا اسے ادا کر کے ہو سکتی ہے یا عورت کے راضی خوشی معاف کر دینے سے ہی ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ نے مہر کا ارادہ نہ رکھنے والے شخص کے بارے میں فرمایا۔

،، جس شخص نے کسی عورت سے زیادہ یا تھوڑے مہر پر نکاح کیا اور دل میں اس کا حق (مہر) ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو اس نے اسے دھوکہ دیا اور اگر اس کا یہ حق ادا کئے بغیر مر گیا تو قیامت کے روز اللہ کے سامنے زانی کی حیثیت سے پیش ہو گا۔ (3)

بیوی کی آزادانہ اور خوشدلانہ مرضی کے بغیر کسی کو اس میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے چاہے وہ اس کا والد اور خاوند ہی کیوں نہ ہو قرآن مجید میں واضح طور پر شوہروں کو سختی سے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ بیویوں سے مہر کی واپسی کا مطالبہ کریں یا پھر اس حوالہ سے انھیں تنگ کریں۔ البتہ اگر بیوی اپنی خوشی سے اپنا یہ حق معاف کر دے یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس صورت میں شوہر کیلئے اس کا لینا جائز ہو گا۔ باہمی رضامندی سے مہر کے مؤجل رکھنے کا بھی طے کیا جا سکتا ہے۔

1۔ ابن ہمام، کمال الدین احمد بن عبدالواحد، م 861ھ۔ فتح القدیر۔ بیروت: دار الفکر، ت۔ن، ج 3 ص 316۔

2۔ النساء 4۔

3۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، م 360ھ۔ المعجم الاوسط۔ محقق، طارق بن عوض اللہ بن محمد، قاہرہ: دار الحرمین، ت۔ن، باب من اسمہ محمد، ج 2 ص 237، حدیث 1851۔

حق مہر کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اسلام نے مہر کو خاوند کی مالی حیثیت کے مطابق مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔اسلام مہر کو ہلکا اور آسان رکھنے کو پسند کرتا ہے،اس لیئے مرد کی مالی حیثیت سے زیادہ مہر کا مقرر کرنا عورت کی جانب سے اپنے حق مہر کا بے جا استعمال ہو گا۔حدیث ہے۔

،،وہ عورت بابرکت ہے جس کی منگنی،مہر اور پیٹ (حمل وولادت) آسان ہو۔،،(1)۔

عصر حاضر میں بہت سے مسلم معاشروں میں نکاح کے وقت مہر کی بھاری رقم لکھوائی جاتی ہے،یہ بھاری رقم اکثر اوقات خاوند کے ساتھ ساتھ بیوی کے لیے بھی باعث مصیبت بن جاتی ہے،یہ گھریلو جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔تعلقات خراب ہونے کے باوجود شوہر کبھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا کیونکہ اس طرح اسے مہر کی بھاری رقم ادا کرنا پڑتی ہے،نتیجتاً ناخوشگوار شادی جاری رہتی ہے۔اسی طرح بھاری مہر باندھنے کے فروغ پاتے رجحان کی وجہ سے شادیوں میں تاخیر کا عمل بھی جاری ہے۔اس کے برعکس ایک رجحان یہ بھی ہے۔

،،بعض صاحب حیثیت لوگ بتیس روپے کچھ پیسے (مہر) پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور اس کو شرعی مہر سمجھتے ہیں۔یہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے اور شریعت میں کہیں ایسا نہیں۔حیثیت کے باوجود اتنا کم دینا عورت کی حق تلفی ہے۔،،(2)۔

مہر مؤجل (مہر کی وہ رقم جس کی بعد میں ادائیگی کا وقت بتا کر معاہدہ کیا گیا ہو) کی صورت میں مرد کی مالی حیثیت کمزور ہونے کے باوجود اسے فوری ادائیگی پر مجبور کرنا بھی اس حق کے بے جا استعمال کے زمرے میں آتا ہے،اس لیئے کہ تنگ دست مقروض کو مہلت دینے کے واضح احکامات موجود ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بہت فضیلت والا عمل شمار کیا گیا ہے،اور یہاں تو بیوی نے نکاح کے وقت خود خاوند کو بعد میں مہر دینے کی سہولت بھی دے رکھی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة (3)۔،،اور اگر وہ (مقروض) تنگ دست ہو تو اس کی فراخی کا انتظار کرنا چاہیے۔،،

ایک مرتبہ مہر معاف کر دینے کے بعد پھر سے مطالبہ شروع کر دینا،مہر کی رقم کو ایسے امور میں صرف کرنا جو شرعاً ناجائز ہوں،یا مہر کی رقم کو شوہر کے پریشان کرنے کی خاطر جان بوجھ کر اس کی منشاء کے خلاف استعمال کرنا وغیرہ بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے کیونکہ یہ اس حق کی بنیادی منشاء اور روح کے ہی خلاف ہے۔

1۔ مسند احمد، باب مسند الصدیقہ عائشہ بنت صدیق، ج41ص27، حدیث 24477۔

2۔ طیبی، محمد یوسف۔ مسنون شادی۔لاہور:دارالاندلس، ت۔ن، ص35۔

3۔البقرہ281۔

2۔ حق نفقہ:

جب بھی عورت مرد کے نکاح میں آتی ہے تو اس کی معاشی ضروریات کو پورا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے اور یہ بیوی کا ایسا حق ہے جو رخصتی سے لیکر دونوں کی جدائی کی عدت یا دونوں میں سے کسی ایک کی وفات تک قائم رہتا ہے۔ اور بیوی کو یہ حق اس کے مال دار ہونے کے باوجود بھی حاصل ہے۔ اسلام میں بیوی کا نفقہ کسی ضرورت مند کی مدد کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ بیوی کا حق منصبی ہے جو مرد کو ایک فرض کی طرح ادا کرنا ہے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیوی کے حق نفقہ کی صراحت ملتی ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ (1)۔ ،،ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں کے لیے فرض کیا۔،،
دوسرے مقام پر نفقہ کو مرد کے حق قوامیت کے سبب کے طور بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (2)۔
،،مرد عورتوں پر قوام (نگہبان) ہیں، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ وہ اپنے اموال بھی خرچ کرتے ہیں۔،،
اس آیت کے مطابق شوہر کو گھر کے سربراہ اور منتظم کا منصب عطا کیا گیا ہے، اس لیئے اپنے اہل کے لیئے ضروریات زندگی فراہم کرنا اس کا فرض ہے۔ اور اگر شوہر اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو قانون اسے یہ ذمہ داری ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ اور اس کے انکار کر دینے یا اس کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں نکاح فسخ کر دے گا۔

اسلامی شریعت کی رو سے خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے اور نفقہ کے وجوب پر تمام امت کا اجماع بھی ہے۔ چنانچہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے۔

،،بیوی کا نفقہ کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع سے ثابت ہے اور یہ واجب ہے۔،،(3)۔

نفقہ میں کھانے پینے کی جملہ اشیاء، رہائش اور لباس کے علاوہ دیگر ضروری اشیاء مثلاً علاج معالجہ، ادویات اور آرام و آسائش کا ضروری سامان سب شامل ہے۔ فقہاء نے یہ ضابطہ ذکر کیا ہے کہ وہ تمام اشیاء جن پر انسانی زندگی کا مدار ہے وہ سب نفقہ میں شامل ہیں۔ نفقہ کے علاوہ بیوی کو اس کی ذاتی ضرورت کیلئے خرچ دینا بھی مرد پر اس کی مالی حیثیت کے مطابق لازمی ہے۔

1۔الاحزاب 50۔

2۔النساء 34۔

3۔المغنی، مسئلہ علی الزوج نفقۃ الزوجۃ، ج8ص195۔

حق نفقہ کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

نفقہ اگرچہ بیوی کا حق ہے لیکن اس میں خاوند کی مالی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ بیوی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے خاوند کی مالی حیثیت سے بڑھ کر خاوند سے نفقہ کی اشیاء کا مطالبہ کرے۔ اسلام کے مطابق۔ نفقے کی مقدار اور معیار کا تعین عورت کی خواہشات پر مبنی نہیں ہے بلکہ مرد کی استطاعت پر ہے۔ یہ نہیں کہ غریب آدمی سے وہ نفقہ وصول کیا جائے جو اس کی حیثیت سے زیادہ ہو اور مالدار آدمی وہ نفقہ دے جو اس کی حیثیت سے کم ہو، ایسا کرنا اس اپنے اس حق کا بے جا استعمال کرنا شمار ہو گا۔

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (1)۔

،،ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے، اور جس شخص کے لیئے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا تو وہ اسی میں سے اس کا نفقہ دے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ کسی جان کو اتنا ہی مکلف بناتا ہے جتنا اسے دیا ہے۔،،

بیوی کے لیئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ نفقہ میں ملی ہوئی اشیاء کو فضول خرچی کے عمل سے ضائع کرے ایسا کرنا اس حق کا بے جا استعمال بھی ہے اور شوہر کی ناشکری بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (2)۔،،یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔،،

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،جو اپنی معیشت میں فضول خرچی کرتا ہے اللہ اسے محروم کر دیتا ہے۔،،(3)۔

اگر خاوند کی طرف سے کبھی اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں مجبوری سے کوتاہی ہو جائے تو اسے بھی برداشت کرنا چاہیے اس موقعہ پر اس کے ساتھ تعاون نہ کرنا بھی اس حق کا بے جا استعمال ہو گا۔ ازدواج مطہرات اور صحابہ کرام کی بیویوں رضی اللہ عنہم نے مشکل اور کڑے حالات میں اپنے خاوندوں کا ساتھ دیا اور حرف شکایت زبان پر نہ لاکر جو مثال قائم کی وہ رہتی دنیا کی بیویوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ خود آنحضرت ﷺ کے گھر کئی کئی دن تک چولھا نہیں جلتا تھا اور آپ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی مشکل ترین حالات میں اپنے شوہر کا ساتھ دیا اور حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔

1۔ الطلاق 7 ۔

2۔ بنی اسرائیل 27۔

3۔ ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد، م 430ھ۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء۔ مصر: السعادہ، بجوار محافظہ 1394ھ، 1974ء، الربیع بن صبیح و منہم ذو العقل الرجیح، ج 3 ص 1943۔

3۔ حق رہائش:

بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کیلیئے اپنی مالی حیثیت کے مطابق معقول رہائش کا بندوبست کرے جس میں تمام بنیادی ضروریات، سہولیات موجود ہوں۔ چنانچہ خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کو رہائش فراہم کرے۔ اسلامی تعلیمات میں گھر کی بہت اہمیت ہے، گھر عورت کے لیئے عزت اور شرف کا مقام ہے۔ عورت کیلیئے دین اور دنیاوی لحاظ سے بہترین دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ ارشاد ہے۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (1)۔ ،،اور ان کے ساتھ بھلی طرح زندگی بسر کرو۔،،

بھلے طریقے سے زندگی بسر کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ مرکزی گھر اور ٹھکانہ مہیا کرے جس میں عورت اپنے مال و متاع کو بحفاظت رکھ سکے اور اجنبی لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکے، اور حسب موقع و ضرورت اپنے شوہر سے لطف اندوز ہو سکے۔ رہائش عورت کا ایسا حق ہے جو بیوی کو طلاق اور خلع کی صورت میں نکاح ختم ہونے کے بعد دوران عدت بھی حاصل رہتا ہے۔ سورہ الطلاق میں ارشاد ہے۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (2)۔ ،،انھیں (دوران عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔،،

اس آیت میں بہت لطیف اشارہ ہے کہ رہائش کی فراہمی خاوند کا فرض اور بیوی کا حق ہے کیونکہ یہاں بیوتھن (ان کے گھروں) کے الفاظ اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ گھر اور رہائش عورت کا بنیادی حق ہے جو اس کی ملکیت ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں۔

،،عدت کے دوران شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ جس بیوی کو طلاق دی ہے اسکو اپنے گھر میں رہائش فراہم کرے، اور عورت کے ذمہ بھی واجب ہے کہ وہ شوہر ہی کے گھر میں عدت گذارے اور کہیں نہ جائے۔(3)۔

عورت کو رہائش مرد کی استطاعت اور مالی معیار کے مطابق ملے گی نہ کہ عورت کی خواہشات کے مطابق۔ البتہ مکان کے ساتھ رہائش کی بنیادی ضروریات مثلا باورچی خانہ، غسل خانہ وغیرہ کا ہونا لازمی ہے۔ اور گھر کی تمام ضروری چیزیں مہیا کرنا بھی

---

1 ۔النساء 19۔

2۔الطلاق 1۔

3۔ عثمانی، مفتی تقی عثمانی۔ آسان ترجمہ۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ت۔ن، جلد 3، ص 1756۔

ضروری ہیں۔ شوہر مکان کا خود مالک ہو، مکان کرایہ پر لیا ہو، یا کسی سے لے کر یہ سہولت مہیا کی ہو یا کوئی اور شکل ہو، بہر حال یہ سہولت فراہم کرنا شوہر کا فرض ہے، کیونکہ مکان رہائش کا فائدہ اٹھانے کیلئے ہوتا ہے اور یہ مقصد کرائے کے مکان سے بھی پورا ہو جاتا ہے۔

بیوی کیلئے الگ مکان یا کمرہ ہونا چاہیے جس میں دیگر عزیز و اقارب نہ ہوں۔ البتہ بیوی کی رضامندی سے کسی محرم کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ہر ایک کیلئے الگ مکان مہیا کرنا ہوگا۔ شادی کے بعد زوجین میں مودت و رحمت کے اظہار کے لیے ایسا گھر ہونا ضروری ہے جس میں کوئی دوسرا دخل اندازی نہ کرے۔ ہمارے معاشرے میں یہ دخل اندازی بہت زیادہ ہے، جس کی وجہ سے نوع بنوع مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بیوی خاوند کے باہمی تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے ساس بہو کا جھگڑا روایتی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اور شاید یہ حریف مشترکہ گھر میں موجود ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بیوی کو مشترکہ خاندانی نظام (جوائنٹ فیملی سسٹم) کے تحت رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ علیحدہ رہائش بیوی کا مسلمہ حق ہے۔(1)۔

حق رہائش کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بیوی خاوند کی مالی حیثیت سے بڑھ کر کسی معیار کی رہائش کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور اگر شوہر کرائے وغیرہ کا مکان مہیا کرے تو بیوی اس میں بھی رہنے سے انکار نہیں کر سکتی اس لیئے کہ قرآن مجید میں بیوی کے حق رہائش کا دار و مدار خاوند کے مالی حالات کو بنایا گیا ہے نہ کہ بیوی کی خواہشات اور اس کی پسند و ناپسند کو اس لیئے عورت کا ایسا کرنا اپنے اس حق کا بے جا استعمال متصور ہو گا اور ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (2)۔ ،،انھیں اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش فراہم کرو جہاں تم رہتے ہو۔،، اس آیت میں صاف الفاظ میں عورت کے حق رہائش کو مرد کے مالی حالات پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر شوہر کے والدین سے الگ رہنا بالکل ممکن نہ ہو اور شوہر کے علاوہ اس کے والدین کا کوئی پرسان حال نہ ہو تو اس صورت میں بیوی اس کے والدین سے الگ رہائش کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ بیوی اپنے گھر میں اپنے شوہر کے والدین اور بہن بھائیوں کو شوہر کے ساتھ ملاقات کے لیئے آنے سے منع نہیں کر سکتی۔ شوہر کی رضامندی کے بغیر بیوی کسی کو اپنے ہاں نہیں ٹھہرا سکتی اگرچہ وہ چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

1۔ البنایہ شرح الھدایہ، فصل نفقہ ۔ لازمہ ۔ علیٰ زوجھا ج 5، ص 681۔

2۔ الطلاق 6۔

بعض بیویوں یا ان کے والدین وغیرہ کی طرف سے بعض اوقات بیوی کیلئے الگ مکان خریدنے یا اس کے نام پلاٹ وغیرہ کروانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ حق رہائش کا بے جا استعمال ہے اس لیئے کہ شریعت نے رہائش فراہم کرنے کی پابندی خاوند پر رکھی ہے نہ کہ بیوی کے نام مستقل گھر یا زمین رکھنے کی جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔

4۔ حق حسن معاشرت:

بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کے ساتھ عمدہ اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ اس کی ناگوار باتوں پر صبر کرے، اور اس کی غلطیوں وخامیوں کی تلاش میں نہ رہے۔ قرآن مجید میں شوہروں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (1)۔ ،،اور ان (بیویوں) کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انھیں پسند نہ کرتے ہو تو عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو نا پسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔،،

خاوند کو بیوی کی کوئی خصلت نا پسند ہو تو اسے اس بنا پر اس سے نفرت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے اچھے پہلوؤں کو تلاش کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔

،،کوئی مؤمن مرد اپنی مؤمنہ بیوی سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی عادت نا پسند ہو تو ضرور کوئی دوسری پسند ہو گی۔،،(2)۔

،،عورتوں کے ساتھ اور جامع ترمذی میں ایک طویل روایت کے ایک حصے میں یوں ارشاد فرمایا۔
حسن سلوک کے بارے میں میری وصیت قبول کرو اس لیئے وہ تمہارے پاس قیدی کی طرح ہیں۔،،(3)۔

یعنی جس طرح قیدی بے بس اور لاچار ہوتا ہے اسی طرح بیویاں اپنے شوہر کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں اس لیئے خاوندوں کو چاہیے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ بلکہ اہل وعیال کے ساتھ حسن خلق کو تو مردانہ شرف کیلئے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں میں بہترین لوگ وہ قرار دیے ہیں جو اپنی عورتوں کے لیئے بہترین ہوں۔ حسن معاشرت کے حق کی رو سے خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ بیوی کی رائے اور اس کے مشورے کا احترام کرے۔ اسے راضی

1۔ النساء19۔

2۔ صحیح مسلم، باب الوصیۃ بالنساء، ج2 ص1091، حدیث 1469۔

3۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی حق المراۃ علیٰ زوجھا، ج3 ص459، حدیث 1163۔

اور خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ بفرصت گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ حسن معاشرت میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو گالم گلوچ نہ کرے، بیوی پر الزام تراشی نہ کرے، بلا کسی معقول وجہ کے منہ نہ بگاڑے اور نہ ترش روئی کرے، کسی دوسری عورت کی طرف اپنا میلان جھکاؤ اور محبت نہ کرے، بیوی کے ساتھ محبت نہ صرف بھی محبت۔ محبت اور پیار کا اظہار کرے اور یہ مصنوعی اظہار جھوٹ بھی شمار نہیں ہوتا۔ حسن معاشرت کا تقاضہ ہے کہ خاوند بیوی کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے نا پسندیدہ عمل دیکھ کر بیوی کی مجموعی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ کرے اور غصے کو برداشت کر کے چہرے کو شگفتہ رکھے اور گھر کے باہر کی ذاتی پریشانیوں کا غصہ بیوی پر نہ نکالے۔

اسلام گھریلو زندگی کو سکون اور اطمینان سے بھرپور کرنے کے لیے مرد کو عورت کے ساتھ بھلا سلوک کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور پسندیدہ تو کجا ناپسندیدہ بیوی کے ساتھ بھی حسن معاشرت کی تاکید کرتا ہے تاکہ عورت مطمئن اور پرسکون ہو اور مرد کے لیے باعث تسکین بنتے ہوئے مرد کے رجحان شدت و غضب کو متوازن کر سکے۔ اگر بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں جو بگاڑ خرابی سامنے آئے گی وہ ہماری روایات اور تہذیب کے لیے چیلنج ہو گی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے نعیم صدیقی رقمطراز ہیں۔

،،ان حالات کا ردعمل ہے کہ آہستہ آہستہ وہ ماڈرن عورت ابھر رہی ہے اور سینہ تانے آگے بڑھ رہی ہے جو نہ دین کو مانتی ہے نہ معاشرے کے آگے جھکتی ہے اور نہ شوہر کی اطاعت کا اصول تسلیم کرتی ہے۔ اس جاہلیت جدیدہ کو پیدا کرنے والی ماں وہ جاہلیت قدیمہ ہے جس نے گھروں پر اپنا تاریک سایہ پھیلا کر ان کو دوزخ بنا دیا ہے۔،،(1)۔

1۔ صدیقی، نعیم۔ عورت معرض کشمکش میں۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، 1998ء، ص275۔

حق حسن معاشرت کی حدوداوراس کا بے جااستعمال:

خاوند کی جانب سے حاصل حسن معاشرت کے حق کی رو سے بیوی اپنے خاوند کی نرمی اور شرافت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھاسکتی، خاوند کی نرم خوئی کو اس کی کمزوری سمجھ کر اس کی عزت واحترام میں کمی، بدزبانی اور بدتمیزی، یا اس کے دیگر حقوق کی بجاآوری میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہونا درست نہیں ہے ایسا کرنا اس نعمت کی ناقدری، اس کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانے، اس کے حق قوامیت کو ادانہ کرنے اور حق حسن معاشرت کا بے جااستعمال ہے۔اس بارے میں متعدد روایات موجود ہیں چنانچہ۔

،،حصین بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی کسی کام سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، جب اپنے کام سے فارغ ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم شوہر والی ہو؟انھوں نے عرض کیا جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا تم ان کے ساتھ کیسی ہو؟انھوں نے میں نے ان کی اطاعت فرمانبرداری میں حتی المقدور کبھی کوتاہی نہیں کی، آپ ﷺ نے فرمایا دیکھنا تم ان کی نظر میں کیسی ہو، وہی تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔،،(1)۔

بہت سی بیویاں خاوند کے سمجھانے کی پرواہ تک نہیں کرتیں اور اپنی نافرمانی کی روش پر قائم رہتی ہیں جسکا نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔نیز ہمارے ہاں بہت سی خواتین خاوند کی جانب سے حسن معاشرت کو اس کی کمزوری سمجھ کر اس کی نافرمانی اور زبان درازی پر اتر آتی ہیں، یہ اس حق سے تجاوز ہے۔اس لیے کہ جس ذات نے بیوی کو خاوند کی جانب سے حسن معاشرت کا حق دیا ہے اسی نے خاوند کو بیوی کی جانب سے حق قوامیت دیا ہے۔اس لیے زندگی کو متوازن بنانے کے لیے عائلی حقوق فرائض میں توازن لازمی ہے۔

5۔حق تعلیم وتربیت:

بیوی کا یہ حق ہے کہ خاونداس کے لیئے دین کی بنیادی تعلیم کے حصول کا بندوبست کرے اور اس مقصد کے لیئے اسے اتنا ہی فکر مند ہونا چاہیے جتنا کہ اس کی دیگر ضروریات کیلئے ہوتا ہے کیونکہ جس طرح خاوند کے ذمہ بیوی کی دنیاوی ضروریات کو پورا کرنا ہے اسی طرح اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی فروی ودینی ضروریات کو بھی پورا کرے قرآن مجید میں مختلف مواقع پر مختلف پیرائیوں میں اس حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔مثلاایک جگہ اہل ایمان کو اس بارے میں یوں حکم دیا گیا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (2)۔،،اے ایمان والو خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔،،

1۔مسند احمد، حدیث حصین بن محصن عن عمتہ، ج31ص341، حدیث 19003۔

2۔التحریم6۔

جہنم کی آگ سے بچانے کیلئے اصول دین کی تعلیم دینا ضروری ہے۔ اللہ کی توحید ارکان ایمان، ارکان اسلام، حلال وحرام، عبادات واخلاق اور مکارم اخلاق سکھلا ضروری ہے قرآن مجید میں ساری امت کو یہ حکم دیا گیا ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (1)۔

،،اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کریں اور خود بھی اس کے پابند رہیں۔،،

نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی اپنے اہل خانہ کی تربیت اور رہنمائی کرنے کا حکم ملتا ہے۔

،،تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے اس کی زیر نگرانی چیزوں کی بابت باز پرس ہوگی۔ امیر نگران ہے، اور شوہر اپنے اہل خانہ پر نگران ہے، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران ہے، تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے اس کی زیر نگہبانی امور کی بابت باز پرس کی جائے گی۔،،(2)۔

حضور ﷺ نے بدزبان بیوی کو بھی سمجھانے کی تلقین کی ہے ابوداؤد میں ایک روایت ہے۔

،،لقیط بن صبرہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی میری بیوی بدزبان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اسے طلاق دے دو، میں نے کہا اس سے میرے بچے ہیں، مدت سے ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اسے نصیحت کرو، اگر اس میں خیر قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی تو وہ تمہاری بات مان لے گی، اور خبردار اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارنا جیسے کوئی لونڈی کو مارتا ہے۔،،(3)۔

حق تعلیم وتربیت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بیوی کو تعلیم وتربیت دینا خاوند کی ذمہ داری ہے لیکن بیوی کو خود بھی ذوق وشوق کے ساتھ خاوند سے یہ رہنمائی لیتے رہنا چاہیے، اور خاوند کی ہدایات کو قیمتی سمجھ کر ان پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔ خاوند کی بتائی اچھی باتوں کو معمولی جان کر ان سے بے اعتنائی نہیں کرنی چاہیے۔ بیوی اگر خاوند کی طرف سے مہیا کی گئی دینی معلومات پر عمل نہیں کرتی یا اسے اس موضوع پر رہنمائی کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے تو یہ اس کا بے جا استعمال بھی ہوگا اور خاوند کے حق قوامیت کے تقاضوں کی خلاف ورزی بھی اور یہ دونوں چیزیں ناجائز ہیں۔ اس لیئے کہ اللہ تعالی نے بطور قوام اور بطور راعی خاوند کی یہ ذمہ داری رکھی ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی تربیت کرے اور شریعت کسی کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ دوسرے کو اپنا فرض ادا کرنے سے روکے۔

1۔ طٰہٰ132۔

2۔ صحیح بخاری، باب المراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا، ج7 ص31۔ 3۔ سنن ابوداؤد، باب فی الاستنثار، ج1 ص35، حدیث نمبر142

ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آرہا ہے کی بیویاں شوہر کی طرف سے دینی تعلیم وتربیت کو مزاج خاطر میں نہیں لاتیں الٹا شوہر کو یہ کہہ کر منع کر دیتی ہیں کہ لیکچر جھاڑنے کی ضرورت نہیں، مجھے مت سمجھاؤ، مجھے پتہ ہے وغیرہ، ایسا رویہ اپنے حق تعلیم وتربیت میں رکاوٹ کے ساتھ ساتھ شوہر کی نافرمانی کے ذیل میں بھی آتا ہے، جواز دواجی زندگی کے لیے زہر قاتل ہے۔

6۔ حق حفظ عزت وناموس:

بیوی کا حق ہے کہ اس کا خاوند اس کی عزت وناموس کی بھرپور حفاظت کرے چنانچہ مرد کیلئے لازمی ہے کہ وہ انتہائی غیرت مند ہو اور اپنی اہلیہ کو لوگوں کی نگاہوں اور زبانوں سے محفوظ رکھے۔ غیرت بیوی سے بدگمانی کا نام نہیں اور نہ ہی یہ اس کے خلاف مواقع تلاش کرنا ہے بلکہ یہ اس کے بارے میں مرد کی حساسیت کا نام ہے جو اس کی فطرت میں موجود ہے لیکن مسلمان کے لیئے لازم ہے کہ وہ ایسی جگہ غیرت کا مظاہرہ کرے جہاں واقعی غیرت کی ضرورت ہو محض فرضی بنیادوں پر درست نہیں کیونکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے۔

یک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور ایک غیرت ایسی ہوتی ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔ پس وہ غیرت جسے اللہ پسند کرتا ہے وہ شکوک وشبہات کی جگہ غیرت کھانا ہے، اور جس غیرت کو اللہ نا پسند کرتا ہے وہ شکوک وشبہات کے علاوہ غیرت کھانا ہے۔،،(1)۔

اسلام میں عورت کی عزت وناموس کی حفاظت کیلیے مرد کو جن اقدامات کا حکم دیا گیا ہے ان میں سر فہرست یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شرعی پردے کا پابند بنائے اور اپنے گھر میں اپنی اجازت کے بغیر کسی مرد یا عورت کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے، بیوی کو بلا کسی شرعی مجبوری گھر سے باہر مخلوط اجتماعات میں نہ لے جائے اور نہ جانے دے، مرد حسب خواہش اپنی اہلیہ کی ازدواجی ضرورت پوری کرتا رہے اور اس سے بلا کسی شرعی مجبوری کے دور رہ کر اسے مشقت میں ڈال کر گناہوں کی طرف میلان پر مجبور نہ کرے۔

،،رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تین طرح لوگوں کی جانب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا ایک تو وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرے اور دوسرے وہ عورت جو کہ مردوں کا حلیہ بنائے اور تیسرے وہ دیوث شخص جو کہ بیوی کو دوسرے کے پاس لے کر جائے اور تین طرح کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے ایک تو نافرمانی کرنے والا شخص یعنی والدین کی نافرمانی کرنے والا شخص اور دوسرے ہمیشہ شراب پینے والا مسلمان اور تیسرے احسان کر کے جتلانے والا،،۔(2)۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب الخیلاء فی الحرب، ج3ص50، حدیث نمبر2659۔

2۔ سنن نسائی، باب المنان بما اعطی، ج5ص80، حدیث 2562۔

ابن قدامہ نے المغنی میں جائز موقع پر غیرت نہ کرنے کی مذمت پہلی فصل قائم کی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

،،مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں زنگیوں کے ساتھ مڈ بھیڑ کرتی ہیں، تمہیں غیرت نہیں آتی؟ بے شک جو غیرت نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔،،(1)۔

اس حق کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ خاوند اپنی اہلیہ کو گندی کہانیوں، عریاں ناولوں، فحش گو بیوں اور الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے بے جا استعمال کی طرف نہ جانے دے اور گانے بجانے و تمام اخلاق سوز ذرائع ابلاغ سے اس کی حفاظت کرے۔ اسلام مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیئے آیا ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس ذمہ داری کو اچھی طرح نبھا یا جائے تا کہ عورت ہر اس چیز سے بچ سکے جو اسکے کردار کو شک میں ڈال سکتی ہے۔ اسلام نے اجنبی مرد و عورت کے اختلاط کو اس لیئے منع کیا ہے تا کہ عورت کو شکوک و شبہات کا نشانہ بننے سے بچایا جاسکے۔ اس حق کی رو سے خاوند کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے رازوں کی حفاظت کرے اور نجی باتوں کے افشاں کرنے سے بچے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیئے لباس کی مانند ہیں۔

حق حفظ ناموس کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

یقیناً بیوی کی عزت و ناموس کی حفاظت خاوند کی ذمہ داری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس بارے میں بیوی کی کوئی ذمہ داری اور اس کا کوئی کردار نہیں ہے۔ چنانچہ بیوی کو چاہیے کہ اس حوالہ سے خاوند کے ساتھ مکمل تعاون کرے اور اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہونے دے جو کسی بھی طرح اس کے کردار کو مشکوک اور اس کی عزت کے لیئے سوالیہ نشان بن سکتی ہو۔ نیز اسے ان ذرائع سے دور رہنا چاہیے جو اسے شوہر کی نظر میں مشکوک بنانے کا سبب بن سکتے ہوں یا کسی بھی طرح اس کی عزت کو دھبہ لگانے کا راستہ کھول سکتے ہوں کیوں کہ ناموس کی حفاظت خاوند کے ساتھ ساتھ بیوی کی اپنی ذمہ داری بھی ہے چنانچہ اگر وہ خود مقام تہمت پر جا کر عزت کو دھبہ لگاتی ہے تو یہ اس حق کا بے جا استعمال ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

،،جو جائے تہمت پر کھڑا ہو تو وہ ملامت کرنے والوں کے بجائے اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔،،(2)۔

7۔ حق جائز تفریح:

بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا خاوند اسے وقتاً فوقتاً جائز تفریح بھی مہیا کرے اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کرے۔ اس

1۔ المغنی، باب مساءلۃ التسویۃ بین الزوجین فی القسم، ج7ص301۔

2۔ الخرائطی، ابو بکر محمد بن جعفر، م327ھ۔ مکارم الاخلاق ومعالیھا و محمود طرائقھا۔ محقق ایمن عبدالجابر، قاہرہ: دار الآفاق العربیہ، طبع اول 1419ھ، 1999ء، باب ما یستحب للمراۃ من التحرز ان یساء بہ، ج1ص161، حدیث 477۔

بارے میں ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اسوہ کو مد نظر رکھنا چاہیے جن کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔
،،میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی،اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں بھی ہوتی تھیں جب ۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ ﷺ کے احترام میں کھیل چھوڑ کر) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ان کو میرے پاس بھجوادیتے چنانچہ وہ آکر میرے ساتھ پھر کھیلنے لگتیں۔،،(1)۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ انھیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں ان کی اس طرح دلداری فرماتے تھے کہ ۔ آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود انھیں کھیل جاری رکھنے کا فرمادیتے اور یہ بیوی کی دلداری کی بہت اعلیٰ مثال ہے اور روایت میں ہے۔
،،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی،اس کے بعد ۔ میرا جسم بھاری ہو گیا اور ایک مقابلے میں آپ ﷺ جیت گئے اور آگے نکل گئے،اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہے۔،،(2)۔

یہ دوڑ کا مقابلہ کسی ایسی جگہ اور ایسے وقت ہوا جہاں کوئی غیر محرم نہیں دیکھ رہا تھا۔بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے۔
،،حضرت عائشہ فرماتی ہیں خدا کی قسم میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک دن) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ بازی کا کھیل کھیل رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان کا کھیل دکھانے کیلئے میرے لیئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے میں آپ کے کندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی،آپ ﷺ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا) میں خود ہی لوٹ آئی،(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ کرو کہ ایک نو عمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی ۔ رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا۔،،(3)۔

حق تفریح کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

جائز اور وسائل کے اندر تفریح مہیا کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے۔البتہ غیر شرعی تفریح اور خاوند کے وسائل سے بڑھ کر اس کا مطالبہ درست نہیں ہے ایسا کرنا اس حق کا بے جا استعمال ہے اس لیئے کہ نان نفقہ جیسی بنیادی ضرورت ۔ خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف ہے تو یہ حق تو بدرجہ اولیٰ اس پر موقوف ہوگا اور اس سے بڑھ کر مطالبہ درست نہیں ہوگا۔

1۔ صحیح بخاری، باب الانبساط الی الناس، ج8 ص31، حدیث نمبر6130۔
2۔ سنن ابی داؤد، باب فی السبق علی الرجل، ج3 ص29، حدیث نمبر2578۔
3۔ صحیح بخاری، باب حسن المعاشرۃ مع العیال، ج7 ص28، حدیث نمبر5190۔

فصل دوم

اولاد کے بارے احکامات

مبحث اول: اولاد کی اہمیت و ضرورت

مبحث دوم: بیٹے کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: بیٹی کے حقوق، حدود اور معاصر

اولاد کی اہمیت وضرورت:

نکاح کے جائز ازدواجی تعلق سے جنسی تسکین کے ساتھ اولاد حاصل ہوتی ہے۔اولاد اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک ہے،یہ دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور ہوتی ہے۔اولاد کی قدر ان لوگوں سے پوچھی جا سکتی ہے جو اس نعمت سے محروم ہیں فطری طور پر ہر انسان اولاد کی خواہش رکھتا ہے۔اولاد رنج و غم کا سہارا ہی نہیں بلکہ انسانی نسل کے بقاء کی آئینہ دار بھی ہوتی ہے۔یہ کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کا سب سے خوبصورت تحفہ ہے۔اولاد والدین کا سرمایہ اور مستقبل میں قوم کا معمار بنتی ہے۔اولاد کی اہمیت خاندان میں اس لیئے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ یہ زوجین کی زندگی کا مقصد اور نتیجہ ہوتی ہے۔اولاد کی وجہ سے زوجین نوع انسانی کے تسلسل کو پورا کر پاتے ہیں،اور یہ کہ اولاد زوجین کے بندھن کی مضبوطی کا سبب بھی بنتی ہے۔قرآن مجید میں اولاد کو انسان کے لیئے گراں قدر نعمت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً(1)۔

،،اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیئے بیویاں بنائی ہیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیئے بیٹے اور پوتے پیدا کیے ہیں۔،،

انسانی رویوں کی درستگی کی خاطر اسلام میں اولاد کو نعمت قرار دیا گیا ہے۔اسلام میں اولاد کو نعمت سمجھ کر اس کی قدر دانی کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی قدر دانی اور صحیح پرورش و تربیت کو معاشرے میں مثبت اقدار کے فروغ کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔اولاد معاشرے کے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے قرآن مجید نے اولاد کی فطری محبت کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اسے دنیاوی زندگی کی رعنائیوں میں شمار کیا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (2)۔ ،،مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔،،

اسلام نے اولاد کو پیدائش سے پہلے ہی کئی حقوق دیے ہیں جن میں زندگی،وراثت ،وصیت اور وقف وغیرہ شامل ہیں چنانچہ تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کے قتل کرنے جس میں اسقاط حمل بھی شامل ہے سے منع کیا گیا ہے۔بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے اسے وراثت میں حصہ پانے اور وصیت سے مستفید ہونے کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے۔اور پیدائش کے بعد اس کی پرورش،اس کے ساتھ شفقت اور اس کی تعلیم و تربیت کو والدین کی ذمہ داری ٹھہرایا گیا ہے۔والدین کی ان ذمہ داریوں کو بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی کتب میں واضح کیا گیا ہے۔اسلام نے اولاد کے معاملے کو صرف والدین کی صوابدید پر ہی نہیں چھوڑا اور نہ ہی معاشرے کے رویے پر انحصار کیا ہے بلکہ انھیں قانونی تحفظ فراہم کیا ہے اور ان کے ساتھ ناروا رویے کو قابل سزا قرار دیا ہے،والدین کے اولاد کے ساتھ رویے کو ان کی اچھی یا بری آخرت کا سبب بتا کر اس پر مذہبی اہمیت کا پہلو بھی سامنے لایا ہے۔کوئی بھی معاشرہ بچوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کرتا ہے وہی اس کا معاشرتی

1۔النحل 72۔

2۔الکہف 46۔

معیار قرار پاتا ہے، اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بے اعتدالی روا رکھی گئی تو اس سے نہ صرف یہ کہ معاشرے کا ارتقائی مزاج مجروح ہوگا بلکہ مستقبل کے والدین بھی اپنی اولاد کے لیئے ایسے ہی ثابت ہوں گے۔ معاشرے میں بڑوں اور بچوں کا تعلق سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لیئے کہ بڑوں کا احترام اور بچوں کے ساتھ شفقت ایک رحم دل معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتی ہے، اسی لیئے پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں۔

،،دور حاضر میں بچوں کی نگہداشت کی صورت میں جو سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں اور اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں میں اس سلسلے میں جو اقدامات کیئے جا رہے ہیں وہ انسانی معاشروں کی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ہی رد عمل ہے۔ اسلام نے اپنی معاشرتی تنظیم میں پہلے دن سے ہی بچوں کے حقوق کے بارے میں واضح مؤقف اختیار کیا ہے، اور یہ اس عظیم اصلاح کا حصہ ہے جسے اسلام نے معاشروں کی تشکیل میں اختیار کیا ہے۔،،(1)۔

اسلام کے مطابق شادی کا مقصد محض جنسی خواہشات کی تکمیل نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد حصول اولاد ہے تا کہ انسانی نسل کا سلسلہ رواں دواں رہے اسی لیئے نبی کریم ﷺ نے ایسی عورت سے شادی کرنے سے منع فرمایا ہے جس میں بچوں کے پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو چنانچہ سنن ابوداؤد میں روایت ہے۔

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ایک خوبصورت ترین اور اعلیٰ حسب ونسب والی عورت ہے لیکن بانجھ ہے کیا میں اس کے ساتھ نکاح کروں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں۔ وہ آدمی دوسری مرتبہ پھر اسی غرض سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منع کر دیا۔ پھر وہ شخص تیسری مرتبہ اس اجازت کی غرض سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منع کر دیا اور فرمایا، محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کر سکنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر کروں گا۔،،(2)۔

اولاد اور مقاصد شریعت:

انسانی معاشرہ جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں نسب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ان کی بنیاد پر افراد کے درمیان محبت ومودت کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور یہ وہ ضروری عمل ہے جس کے بغیر معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

1۔ خالد علوی، اسلام میں اولاد کے حقوق، ص 9۔

2۔ سنن ابوداؤد، باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء، ج 2 ص 220، حدیث 2050۔

اسلامی شریعت کے جو بنیادی مقاصد ہیں ان میں ایک انسانی نسل کی حفاظت بھی ہے۔اس کی بقا کے لیے اسلام ایک طرف تو نکاح پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف اس کے منافی امور جنسی آوارگی اور زنا سے بچنے کی تلقین کرتا ہے تا کہ صالح اور صاف وشفاف نسب کی بنیاد پر ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے جس کے افراد میں باہمی ربط ہو۔ نسب وہ رشتہ ہے جو خونی قرابت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور انسان کو اس کے آباؤ اجداد اور اولاد کے ساتھ جوڑتا ہے۔ یہی خاندان، قبائل، معاشروں اور اقوام کی بنیاد ہے۔ اولاد کی وجہ سے نسل انسانی کا تسلسل قائم رہتا ہے بچے پیدا ہوتے ہیں تو زوجین والدین کا روپ دھار لیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں ان کی شادیاں ہوتی ہیں تو پھر نئے ازدواجی رشتے بنتے ہیں، نئے کنبے اور خاندان وجود میں آتے ہیں، خونی رشتے پھیلتے ہیں تو یہی وحدت معاشرے کی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے اور نسل انسانی کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے۔ زوجین کا رشتہ محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ نسل انسانی کی بقاء و تسلسل کے لیئے بھی ضروری ہے۔ اسلام کی رو سے مغرب میں تیزی کے ساتھ رواج پانے والی ہم جنس پرستوں کی شادیاں بھی اسی لیئے جائز نہیں کہ یہ محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا غیر فطری راستہ ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے حصول اولاد اور انسانی نسل کے تسلسل کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ آج مغرب میں خاندانی نظام جس تیزی سے رو بزوال ہے اس کی بنیادی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسانی حقوق اور آزادی کے نام پر ہوس پرستی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیئے نکاح کے معاہدے کو بوجھ متصور کر کے وقتی تلذذ کی راہیں ڈھونڈھ کر انھیں قانونی جواز مہیا کیا جارہا ہے اور اس کے پیچھے اولاد کی ذمہ داریوں سے فرار کا مقصد کارفرما ہے۔

طلب اولاد اور انبیاء کرامؑ:

اولاد کی طلب ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی فطری خواہشات میں شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کرامؑ کے تذکروں کے دوران اولاد کے بارے میں ان کے رویوں، احساسات اور اظہارات کا تذکرہ کیا ہے۔

وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ (1)۔،،اور وہ تمہاری مدد کرے گا اموال اور اولاد کے ساتھ۔،،

یہ الفاظ حضرت نوحؑ کے ہیں جو انھوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال کی صبر آزما دعوت و تبلیغ کے دوران انھیں قبول ہدایت کے دینی و دنیاوی ثمرات سے آگاہ کرتے ہوئے استعمال کیے۔ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا (2)۔ ،،اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں کثیر جماعت بنادیا۔،،

1۔نوح 12۔

2۔بنی اسرائیل 6۔

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالی کی نعمتیں یاد کرائیں تو بچوں کا بھی ذکر فرمایا۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ۝ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ (1)۔

،،اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں ان چیزوں سے مدد دی جنہیں تم جانتے ہو۔اس نے تمہیں چوپایوں اور بیٹوں سے مدد دی۔،،

حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کی نعمت پر جس مسرت کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور شکر کے الفاظ بجالائے وہ یہ ہیں۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (2) ۔ ،،تو ہم نے اسے اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔،،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (3)۔

،،اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے، بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔،،

حضرت زکریاؑ نے انتہائی پر سوز انداز میں بیٹے کے لیے ایسی دعا کی کہ اس میں اندرونی آرزوئیں اور طبعی ضروریات سمٹ کر آگئی ہیں۔ یہ دلی دعا تھی جو براہ راست اللہ تک پہنچی اور انھیں فرزند صالح یحیٰؑ نصیب ہوئے۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا۝ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (4)۔

،،اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں،اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میری اور آل یعقوبؑ کی میراث کا وارث ہو۔ قرآن مجید میں مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے اس اظہار تشکر کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو وہ اہل و اولاد کے مل جانے پر کرتے ہیں۔اور اسے اپنے خاص بندوں کی علامت کہا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ (5)۔

،،اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما،،

1۔الشعراء133،132۔

2۔ھود71۔

3۔ابراہیم39۔

4۔مریم5،6۔

5۔الفرقان74۔

امید کی دنیا:

کہا جاتا ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے۔اور کسی کلیے امید کے سہارے ہی انسان بعض اوقات اپنی ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ کوئی بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے والدین کو اس سے کئی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ ہمارا بچہ بڑا ہو کر ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا، ہمیں سکون وراحت کا ساماں مہیا کرے گا۔ پھر انھی امیدوں کے سہارے وہ اس کے لیے بخوشی بے شمار دکھ اور تکلیفیں برداشت کر جاتے ہیں مگر اظہار افسوس نہیں کرتے۔بچے کے لیے ماں باپ سب کچھ کر گزرتے ہیں، اس لیے کہ اولاد کی خواہش والدین کے دل میں پنہاں ہوتی ہے قرآن مجید میں اس کا ذکر کلیے اور پیرائے میں یوں کیا گیا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (1)۔

،،روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیئے حلال کیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ کو علم ہے، اس نے تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں معاف کر دیا ہے، اب تمہیں ان سے مباشرت کرنے اور اللہ کی لکھی چیز (اولاد) تلاش کرنے کی اجازت ہے۔،،

تحفظ اولا اور اسلام:

خاوند اور بیوی کے جنسی تعلقات محض جنسی تلذذ کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ یہ انسانی نسل کے تسلسل کا ذریعہ ہے اس لیئے اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی زندگی کو محفوظ کیا جائے، چونکہ نومولود خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے اس کے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی زندگی کو محفوظ بنائیں۔مذہبی، معاشی، معاشرتی یا کسی بھی بنیاد پر اولاد کا قتل درست نہیں ہے، اسی بنا پر اسلام نے بعض عرب معاشروں کی اس فرسودہ روایت کو بھی کالعدم کیا جس میں بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا قرآن مجید میں معاشی بنیادوں پر اولاد کو قتل کرنے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا (2)۔

،،اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم انھیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، یقیناً ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔،،

1۔البقرہ 187۔

2۔بنی اسرائیل 31۔

اس کائنات میں انسان کے لیے بے شمار وسائل رکھے گئے ہیں اور انسان کو اپنی محنت اور وسائل کو بروئے کار لاکر ان سے استفادہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے انسان کو معاشی بنیاد پر اولاد کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے قرآن مجید میں معاشی بنیاد پر بچوں کے قتل کی جو مذمت کی ہے اس میں اس خوف سے اسقاط حمل کروانا بھی شامل ہے۔ اسلام میں کسی مذہبی عقیدے کی بنا پر بھی اولاد کے قتل کرنے اور انھیں حق حیات سے محروم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسلام سے قبل مشرک لوگ اپنے بچوں کو دیوی اور دیوتاؤں کی نذر کی بھینٹ چڑھادیا کرتے تھے اسلام نے اس قاتلانہ رسم کی مذمت کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ (1)۔

،،اور اسی طرح بہت سے مشرکین کو ان کے شریکوں نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ اپنی اولادوں کو قتل کرنا بڑا اچھا کام ہے تا کہ وہ انھیں (مشرکین کو) تباہ کر ڈالیں اور ان کے سامنے ان کے دین میں مغالطے پیدا کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسے نہ کرسکتے لہذا انھیں اپنی افترا پردازیوں میں پڑھا رہنے دیں۔،،

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (2)۔ ،،حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر جہالت سے قتل کیا ہے۔،،

بیٹیوں کا قتل:

اسلام سے قبل دنیا کے کئی معاشروں میں بچیوں کو پیدائش کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا تھا اور عرب کے بعض قبائل بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بچیوں کو ایک بوجھ متصور کیا جاتا تھا۔ لڑکی کو معاشی بوجھ اور معاشرتی ذمہ داری سمجھ کر اس سے نجات کے راستے تلاش کیے جاتے تھے۔ اسلام نے اس صورتحال کی حوصلہ شکنی کی۔ آج بھی بہت سے گھرانوں میں بچیوں کو بوجھ متصور کیا جاتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش پر بیوی سے جھگڑے کیے جاتے ہیں۔ دوران حمل الٹراسائونڈ سے اگر بچی کا علم ہو تو اسقاط حمل کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ یہ سب بھی بچیوں کے قتل کے مترادف ہے۔ اور اسلام کی رو سے یہ سب ناجائز عمل اور زمانہ جاہلیت کی نئی تصویر ہے قرآن و سنت کی رو سے بچوں کے قتل کے تمام قدیم و جدید طریقے ناجائز ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بیٹی کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دیا گیا ہے، اور بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دینے کی مذمت کی گئی ہے۔

1۔ الانعام۔137۔

2۔ الانعام140۔

بیٹے کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

اسلام کی رو سے بیٹا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے، بیٹا والدین کی نسل کے تسلسل کا ذریعہ ہے کیونکہ اولاد کا نسب نامہ اس کے والد کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔ قدیم معاشروں سے لیکر دور حاضر تک ہمیشہ بیٹے کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسلام نے بھی اولاد میں بیٹے کو خاص اہمیت دی ہے۔ بیٹے والدین کے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں بیٹے کے بہت سے حقوق مذکور ہیں۔ زیر نظر سطور میں بیٹے کے صرف ان حقوق کا ذکر کیا جائے گا جن میں عموماً کوتاہی کی جاتی ہے۔

1۔ حق عدل وانصاف:

والدین کا فرض ہے کہ وہ اولاد کے درمیان برابری کا اہتمام کرتے ہوئے مساویانہ سلوک کریں۔ ان میں سے کسی کو کسی پر فوقیت یا ترجیح نہ دیں اور نہ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کا برتاؤ کریں۔ یہ برابری بچوں کی پیدائش سے ہی ضروری ہے ہر بچے کو مکمل مدت رضاعت کیلئے دودھ پلایا جائے، پرورش وتربیت میں برابری کی جائے اور تعلیم کے بھی سب کیلئے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ اسی طرح اگر کوئی بھی چیز تحفہ دینی ہو تو سب کو دی جائے۔ کسی ایک کو دینا اور باقیوں کو نہ دینا ناانصافی ہے۔ البتہ والدین اگر کسی ایک یا بعض کو کوئی ایسی چیز دیں جو اس کی ضرورت ہو اور باقیوں کی نہ ہو تو یہ جائز ہے بلکہ اس کی اس مخصوص ضرورت کا پورا کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ اسلام نے اولاد کے درمیان مساوی سلوک کا حکم دراصل اس لیے دیا ہے کہ غیر مساوی سلوک سے اولاد کے دل میں والدین کے لیے نفرت منافرت اور عداوت کے جذبات پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ سے ان کے بھائیوں کے حسد کا ذکر کرتے فرمایا گیا ہے۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (1)۔

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں یقیناً والد صریح غلطی پر ہیں۔،،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے درمیان ہر معاملے میں انصاف، مساوات اور برابری کا حکم دیا ہے۔

حامد بن عمر ابو عوانہ حصین عامر نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد نے کچھ عطیہ دیا عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں راضی نہیں ہوں گی یہاں تک کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گواہ نہ بنا دو تو انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک عطیہ دیا تو عمرہ نے مجھ کو حکم دیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ مقرر کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا ایسے ہی تمام بچوں کو تو نے دیا ہے میں نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ یوسف 8۔

نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو، انہوں نے وہ ہبہ واپس کرالیا اور ان کے بیٹے نے واپس کر دیا۔(1)۔
اگر کسی آدمی کی کئی سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پھر اس کے لیے برابری اور زیادہ لازمی ہو جاتی ہے۔اسلام میں اولاد کے درمیان برابری کا جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل لازمی ہے، البتہ طبعاً اگر کسی بچے کی طرف زیادہ میلان ہو تو یہ معذوری ہے، لیکن سلوک وبرتاؤ اور لین دین میں ہمیشہ برابری لازمی ہے۔ کسی بچے کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے باقیوں میں احساس کمتری، نفرت، مایوسی اور بالآخر بغاوت پیدا ہو جاتی ہے۔ والدین کو اولاد کے درمیان مادی امور جیسے عطیہ وھبہ اور معنوی امور جیسے شفقت و محبت سب میں برابری کرنی چاہیے۔

حق عدل وانصاف کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

والدین کو اپنے بیٹوں کے درمیان عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ بیٹے بچپن میں تو اس حوالہ سے مکلف نہیں ہیں لیکن بالغ ہونے کے بعد ان کی ذمہ داری ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہ دیکھے کہ اس کے والدین کا اس کی طرف جھکاؤ زیادہ ہے جس وجہ سے اس کے باقی بہن بھائیوں کی حق تلفی ہو رہی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ والدین کی اس بے جا طرف داری پر خاموش نہ رہے بلکہ والدین کو آگاہ کرے کہ میرے ساتھ اس اضافی جھکاؤ کی وجہ سے باقیوں کے حقوق متاثر ہو رہے ہیں اس لیے آپ عدل وانصاف سے کام لیکر مساوات قائم کریں۔ اگر دیکھتے جانتے وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں جانے کے مترادف ہے ہے اور اپنے حق سے تجاوز بھی۔ ارشادباری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (2)۔،، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔،،

ہمارے معاشرے میں اولاد کی طرف سے عدل وانصاف کے کے حق سے تجاوز کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اسلام کی رو سے کسی وجہ سے بھی کسی بیٹے کو عاق کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر والدین اپنے کسی بیٹے کو عاق کر ہی دیں تو باقی بالغ اولاد کا فرض ہے کہ وہ والدین کو اس قبیح کام سے منع کریں اگر وہ اپنے مفاد کی بنیاد پر ایسا نہیں کرتے تو یہ بھی اس حق سے تجاوز ہے، کیونکہ کسی بھی کے عاق ہو جانے سے اس کا حصہ یقیناً باقی میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا حق لینا حرام ہے۔

سوتیلے بھائیوں میں سے کوئی اگر یہ سمجھے کہ والد کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے والد کے مال سے اپنے سوتیلے بھائی کی نسبت زیادہ مستفید ہو رہا ہے تو اسے خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے والد کو سمجھانا چاہیے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ حق عدل وانصاف سے تجاوز کنندہ شمار ہوگا ہمارے معاشرے میں آج کل اس کی بہت سی مثالیں سامنے آرہی ہیں۔ ماں شریک بھائیوں میں سے بھی اگر کوئی یہ محسوس کرے کہ والدہ کا رویہ اس کے ساتھ امتیازی ہے جس کا اسے مفاد مل رہا ہے تو اسے بھی ماں کو سمجھانا چاہیے ورنہ یہ اس حق سے تجاوز ہوگا۔ کیونکہ کہ دوسرے کا حق لینا حرام ہے۔

1۔ صحیح بخاری، باب الاشہاد فی الھبہ، ج3 ص158، حدیث 2587۔ 2۔البقرہ 195۔

اگر کوئی بیٹا یہ دیکھے کہ اس کے والدین اس کے کسی بھائی کی کسی خاص مجبوری کی وجہ سے اس کے ساتھ خاص شفقت کا معاملہ کرتے ہیں یا اس پر اس کی نسبت زیادہ مال خرچ کر رہے ہیں، مثلاً یہ بھائی بیمار اور اس کے علاج معالجے پر والدین کے اضافی اخراجات ہو رہے ہیں، یا یہ بھائی اپنی صلاحیتوں کی بنا پر کسی ایسی تعلیم کے حاصل کرنے جا رہا ہے جس پر والدین کے باقی بیٹوں کی نسبت زیادہ اخراجات آئیں گے تو اس صورت میں باقی اولاد میں سے کسی کا معترض ہونا اس حق کا بے استعمال ہو گا ہمارے معاشرے میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

اگر بڑا بھائی یہ دیکھتا ہے کہ اس پر اس کے والدین اتنا خرچ کر رہے ہیں کہ اس کے چھوٹے بہن بھائیوں پر شاید اتنا نہ کر سکیں تو اسے بھی والدین کو بتانا اور سمجھانا چاہیے ایسا نہ کرنا اس حق سے تجاوز کے زمرے میں آئے گا۔اس لیے کہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ چھوٹے بہن بھائی بڑے ہوں گے تو ان کے والدین کے پاس انھیں دینے کو بھی اتنا کچھ موجود ہو گا قرآن مجید میں والدین کے سامنے بھی حق بات کہنے کی تلقین ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا (1)۔

،،اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں عزیزوں کے وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے۔،،

اگر کوئی بالغ بچہ یہ محسوس کرے کہ اس کے والدین اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ لے رہے ہیں اور باقی بچوں کی تعلیم پر کم تو اس کا فرض ہے کہ وہ والدین کی توجہ اس جانب مبذول کرے اس کا ایسا نہ کرنا بھی اس حق سے تجاوز ہو گا، اس لیے کہ اسلام سب کو حصول علم کے یکساں مواقع فراہم کرنے کا حکم دیتا ہے، اور طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اگر کوئی بیٹا بلوغت کے بعد اپنے ساتھ والدین کی طرف سے عدم مساوات کا رویہ دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کے ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے اس جائز حق کا مطالبہ کرے، کیونکہ اپنے اس حق کے لینے میں خود سے کوتاہی بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے۔اور یہ کہ بیٹوں کے درمیان عدل احادیث سے ثابت ہے۔

،،حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اپنے بیٹوں کے درمیان عدل کرو،اپنے بیٹوں کے درمیان عدل کرو۔،،(2)۔

2۔نکاح: حق:

اسلام میں والدین کی ذمہ داری لگائی ہے کہ اولاد بالغ ہو جائے تو ان کے لیے مناسب رشتہ دیکھ کر ان کے نکاح کا بندوبست

1۔النساء 135۔

2۔مسند احمد، باب حدیث نعمان بن بشیر، ج30 ص373، حدیث 18422۔

کریں کیونکہ بروقت شادی بہت سے نفسیاتی اور معاشرتی مسائل کا حل ہے اور یہ امر دو وجہ سے بھی ضروری ہے کہ والدین اپنی ذمہ داریوں سے بروقت سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ کم عمری یعنی بلوغت سے پہلے شادی مناسب نہیں، البتہ سن بلوغ کو پہنچنے پر استطاعت ہو، حالات اجازت دیں اور اسباب و وسائل مہیا ہوں تو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ (1)۔

،،تم میں سے جو مرد و خواتین غیر شادی شدہ ہوں تو ان کا نکاح کروا دو اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔،،

دراصل یہ حکم والدین کو ہے کہ وہ اخلاقیات کے تحفظ کی خاطر بالغ اولاد کو جائز طریقے سے بلا تاخیر شادی کرا دیں۔

کیونکہ جنسی بے راہ روی سے معاشرے کو بچانے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے تحفظ کیلئے یہی مناسب طریقہ ہے اس لیے کہ نکاح لوگوں کو شرم و حیاسے نوازتا ہے جب بچے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھیں تو ان کے والدین کو بہت زیادہ محتاط ہو جانا چاہیے اور اسباب و وسائل مہیا ہوں تو جلد از جلد ان کی شادی کر دینی چاہیے کیونکہ روایت جس پر کلام کیا گیا ہے یوں آیا ہے۔

،،جس کے ہاں اولاد پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے حسن ادب سے آراستہ کرے، اور اس کا اچھا نام رکھے، جب بالغ ہو تو اس کی شادی کر دے، اور اگر وہ بالغ ہوا اور اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کیا تو اس گناہ اس کے باپ کے سر ہے۔،،(2)۔

اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جیون ساتھی کا خود انتخاب کرے، لیکن والدین پر رہنمائی کرنے، وسائل مہیا کرنے اور انتخاب میں سہولت پیدا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں۔

،،اسلام آزادانہ جنسی اختلاط کو معاشرے کے اخلاقی وجود کے لیے خطرناک سمجھتا ہے، عزت و عصمت اور غیرت و حیا کو بنیادی اجتماعی اقدار قرار دیتا ہے اس لیے نکاح کو آسان بنانے اور جنسی بے راہ روی روکنے میں والدین اور معاشرے کو ملکر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ والدین پر ذمہ داری عائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرے کی اخلاقی قدروں کے تحفظ کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔،،(3)۔

اسلام کی رو سے والدین کو جبری شادیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اولاد کی رضامندی سے ان کی شادیاں کروانی چاہئیں۔

حق نکاح کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بالغ ہونے پر اپنی اولاد کی شادیاں کروائیں لیکن اولاد کو بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے اس حق سے نہ تو تجاوز کریں اور نہ اس کا بے جا استعمال۔ آج کل اولاد کی جانب سے حق نکاح سے تجاوز اور بے جا استعمال کی متعدد صورتیں

1۔ النور 33۔

2۔ البانی، ابو عبدالرحمٰن محمد ناصر الدین، م 1420ھ۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرها السیئ فی الامۃ۔ ریاض: دار المعارف، 1412ھ۔ 1992ء باب 737 ج 2، ص 163۔

3۔ خالد علوی، اسلام میں بچوں کے حقوق، ص 24۔

سامنے آرہی ہیں۔ مثلا یہ کہ بیٹے اور بیٹی کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند کی شادی کریں، لیکن پسند کے لیے نا جائز ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلا خفیہ آشنائی کر کے محبت و معاشقے قائم کر کے شادی کی راہ ہموار کرنا اگر کوئی بیٹا اس طرح اپنے لیے لڑکی تلاش کر کے والدین کو وہاں شادی کروانے پر مجبور کرتا ہے تو یہ حق نکاح کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ مسلمان معاشرے کے افراد کو ایسی اخلاق سوز حرکتوں سے منع کیا گیا ہے ارشاد ہے۔

وَلَا مُتَّخِذِيٓ أَخۡدَانٍ (1)۔ ،،اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔،،

بعض گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ بیٹے کسی ایسے گھرانے سے شادی پر بضد ہو جاتے ہیں جو ان کے ساتھ یا یہ ان کے ساتھ کفو میں نہیں ہوتے اس لیے والدین کے لیے یہ شادیاں کروانا ممکن نہیں ہوتا اولاد کا ایسا کرنا اپنے اس حق نکاح سے تجاوز شمار ہوگا۔ اس لیے کہ نکاح میں کفو کی شرط فقہاء کے ہاں مسلمہ ہے۔ بہت سے لڑکے جوان ہونے کے بعد اس لیے شادی میں تاخیر پر بضد رہتے ہیں جب تک وہ اپنے پاؤں پر نہیں کھڑے ہو جاتے اور کوئی روزگار نہیں ملتا شادی نہیں کریں گے، حالانکہ ان کے والدین ان کا مہر اور نان نفقہ اٹھانے کی طاقت بھی رکھتے ہیں اور یہ وعدہ بھی کر رہے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی لڑکے کی طرف سے انکار ہی رہتا ہے یہ بھی اس حق سے تجاوز ہے۔

بہت سے گھرانوں میں بیٹے والدین کے بتائے معقول رشتے کو بغیر کسی معقول وجہ کے مسترد کر کے والدین کو بلا وجہ پریشان کرتے ہیں یہ بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ کافی گھرانوں میں ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بیٹے والدین کے سمجھانے کے باوجود معاشرے میں اپنا کردار اتنا مشکوک کر دیتے ہیں کہ باوجود کوشش کے ان کے والدین ان کی شادی کروانے میں ناکام رہتے ہیں یہ بھی اس حق نکاح سے تجاوز کرنا ہے۔

3۔ حق میراث:

اسلام میں بیٹے کو اپنے والدین کا وارث ٹھہرایا گیا ہے۔ وراثت اولاد کا ایسا حق ہے کہ جس سے انھیں کسی صورت محروم نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت اسلام میں نہ صرف اولاد کو وارث ٹھہرایا ہے، بلکہ ان کے حصے بھی متعین کر دیے گئے ہیں تا کہ کوئی غاصبانہ قبضے کے ذریعہ دوسرے کا حق نہ چھین سکے۔ نیز والدین کو اس بات کا بھی پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو عاق کر کے یا کسی بھی دوسری طرح محروم نہیں کرسکیے۔ قرآن نے وراثت کے مسائل کے بیان کا آغاز ہی اولاد سے کیا ہے۔

يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ (2)۔

،،اللہ تعالی تمھیں وصیت کرتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر۔،،

1۔ المائدہ 5۔

2۔ النساء 11۔

ورثاء اور بالخصوص اولاد کے حق وراثت کی حفاظت کے لیے اسلام نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے سارے مال کی وصیت کر جائے۔ اسی طرح اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ اولاد یا کسی دیگر وارث کے لیے وصیت کی جائے اس لیے کہ ورثاء میں سے کسی کے لیے وصیت سے باقیوں کا حق وراثت متاثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

،،بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ تو اب وارث کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی۔،،(1)۔

اگر کسی نے ورثاء کے علاوہ کسی کے لیے کوئی وصیت کی بھی ہے تو وہ صرف اس کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد صرف ایک تہائی کی حد تک نافذ العمل ہوگی تا کہ ورثا کا حق متاثر نہ ہو۔ مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں۔

،،اگرچہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنا میراث کی تقسیم پر مقدم ہے، لیکن مرنے والے کو کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس کا مقصد اپنے جائز ورثاء کو نقصان پہنچانا ہو مثلاً کوئی شخص اپنے وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی خاطر اپنے کسی دوست کے لیے وصیت کر دے، یا اس کے حق میں قرضے کا جھوٹا اقرار کر لے، اور مقصد یہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ یا اس کا کافی حصہ اس کے پاس چلا جائے اور ورثا کو نہ ملے یا بہت کم ملے تو ایسا کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اور اسی لیے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہو سکتی، نیز غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی۔،،(2)۔

حق میراث کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

آج کل ہمارے معاشرے میں حق میراث کا بے جا استعمال اور اس سے تجاوز بہت زیادہ ہو چکا ہے اور اس کی نئی صورتیں سامنے آ رہی ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ دیکھنے میں آ رہی ہے کہ میت کے ترکہ میں سے اس کی وفات کے بعد تقسیم وراثت سے پہلے ہی اس ترکہ میں سے ہی اس کے ایصال ثواب کے لیے رقم خرچ کرنا شروع کر دی جاتی ہے، حالانکہ میت کے مرتے ہی اس کے مال میں سے تجہیز و تکفین کے بعد اس کے قرض کی ادائیگی (اگر ہو) پھر ایک تہائی اس کی وصیت (اگر کی ہو) کے نافذ العمل کرنے کے بعد ترکہ کو اس کے ورثا میں قاعدے کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔ وراثت کی اس طرح تقسیم سے قبل میت کے مال میں سے اس کے ایصال ثواب کے لیے خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں کوئی اپنے ذاتی مال میں سے کرے تو درست ہے

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، ج4 ص433، حدیث 2120۔

2۔ تقی عثمانی، آسان ترجمہ، ص254۔

ہے۔ بہت سے لوگ اپنے رہائشی مکان کو کسی ایک بیٹے اور عموماً چھوٹے بیٹے کے نام وصیت کر جاتے ہیں اور وہ بیٹا بھی بخوشی اسے اپنا حق سمجھ کر لے لیتا ہے، یہ اس کی طرف سے حق وراثت سے تجاوز ہے اور حدیث میں تصریح موجود ہے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں کی جا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا اس سے بالکل منع فرما دیا تھا،،(1)۔

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ مرنے والے کا بڑا بیٹا ترکہ کی تقسیم کرنے کے بجائے خود اس پر قابض ہو جاتا ہے اور اس کے چھوٹے غیر بالغ بہن بھائی چونکہ سن شعور کو نہیں پہنچے ہوتے اس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس ترکہ کو اپنی من مرضی سے استعمال کرتا رہتا ہے اور اگر تقسیم کرے بھی تو غیر منصفانہ کرتا ہے یہ اس حق وراثت سے تجاوز ہے۔

کچھ گھرانوں میں بیٹے ترکہ کی تقسیم کے وقت اپنی بیوہ ماں کو عموماً بالکل محروم رکھتے ہیں ایسا کرنا قطعاً جائز اور حق وراثت کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صاحب اولاد بیوہ کا آٹھواں حصہ خود قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے۔ اس حق کے ناجائز استعمال کی سب سے قبیح صورت جو ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے وہ یہ کہ بھائی ترکہ میں اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، حالانکہ ان کا حصہ قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ حق وراثت سے تجاوز کی یہ صورت بہت سے گھرانوں میں دیکھی جا رہی ہے کہ بڑے بھائی تقسیم میراث میں اپنے سوتیلے بھائیوں اور بہنوں اور سوتیلی والدہ کو اس کے حصے سے یا تو محروم کر دیتے ہیں یا کم دیتے ہیں، ایسا کرنا ناجائز ہے اس لیے کہ ان سب کے حصے منصوص ہیں۔

حق وراثت سے تجاوز کرتے ہوئے بہت سے بیٹے اپنے ماں شریک بہن بھائیوں کو والدہ کے ترکہ سے حصہ نہیں دیتے یا کم دیتے ہیں یہ بھی ناجائز اور منصوص احکام کی خلاف ورزی ہے۔

والدین کی زندگی میں ہی اگر اولاد میں سے کسی نے دیکھا کہ ان کے والد یا والدہ نے کسی وارث کے لیے کوئی وصیت کر رکھی ہے یا کسی غیر وارث کے لیے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ والدین کو سمجھا کر اس وصیت کو ختم کروائے، اس کا ایسا نہ کرنا بھی حق میراث کا بے جا استعمال شمار ہوگا۔ اس لیے کہ والدین ایسی وصیت کر کے اپنے حق سے تجاوز کر رہے ہیں اور اولاد کا باوجود علم کے انھیں اس سے نہ روکنا اپنے حق کا بے جا استعمال ہے۔

ڈاکٹر محی الدین رقمطراز ہیں۔ ،، خلاصۂ کلام یہ کہ اگر آدمی کے استعمال حق کے نتیجے میں یا حق کے عدم استعمال سے یا کسی عقد کے انعقاد کے باعث کسی کو ضرر لاحق ہو تو یہ حق کا بے جا استعمال یا تعسف کہلائے گا۔،،(2)۔

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، ج4 ص433، حدیث 2120۔

2۔ محی الدین، حقوق کا بے جا استعمال، ص33۔

بیٹی کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بیٹی اور بیٹا دونوں اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں لیکن اسلام میں بیٹی کو خصوصی اہمیت سے نوازا گیا ہے۔ اسلام نے اس بیوی کو بابرکت بتایا ہے جس کے بطن سے پہلے بیٹی جنم لے نیز بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت فرمایا گیا ہے۔ اور قرآن مجید میں مثلاً ان پر اولاد جیسی نعمت کی عطیہ کا تذکرہ کیا گیا تو اس میں پہلے بیٹی کا ذکر کیا گیا۔ اسلام سے قبل دنیا کے کئی معاشروں میں بچیوں کو پیدائش کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا تھا اور عرب کے بعض قبائل بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بچیوں کو کیلئے بوجھ متصور کیا جاتا تھا۔ لڑکی کو معاشی بوجھ اور معاشرتی ذمہ داری سمجھ کر اس سے نجات کے راستے تلاش کیے جاتے تھے۔ اسلام نے اس صورتحال کی حوصلہ شکنی کی۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (1)۔

،، جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگتا ہے۔ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑھ دے، دیکھو انھوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ ،،

اسلام نے بیٹی کو جو حقوق دیے ہیں ان میں سرفہرست حق حیات ہے اور بیٹی کی پرورش پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

،، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لیکر کچھ مانگنے آئی تو میرے پاس بھی اسے دینے کے لیے ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا تو میں نے وہی اسے دے دی تو اس نے اسے ان دونوں میں تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا پھر وہ کھڑی ہو کر نکل گئی تو نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے انھیں اس کی بات بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بچیوں کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا (اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا) تو یہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہوں گی۔ ،، (2)۔

قرآن و سنت میں بیٹیوں کے بہت سے حقوق بیان کیے گئے ہیں لیکن یہاں صرف ان حقوق کا ذکر کیا جائے گا جن کی ادائیگی میں عموماً زیادہ کوتاہی برتی جا رہی ہے اور ان حقوق کا بے جا استعمال اور ان سے تجاوز بڑھ رہا ہے۔

1۔ النحل 58۔59۔

2۔ صحیح بخاری، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، ج2 ص110، حدیث 1418۔

1۔ حق عدل وانصاف:

اسلام میں والدین پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان مساویانہ سلوک کریں، بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح نہ دیں اور بیٹیوں کے درمیان بھی عدل اور برابری کا رویہ اختیار کریں کسی بیٹی کو بھی کسی بیٹی پر ترجیح نہ دیں۔ والدین کے لیے برابری کا یہ سلوک بیٹی کی پیدائش کے فوراً بعد سے ضروری ہو جاتا ہے۔ بیٹی کو مدت رضاعت میں ماں کا دودھ پلایا جائے، اس کی پرورش اور نگہداشت میں کسی طرح بھی بیٹے کی نسبت کمی نہ کی جائے۔ اسلام میں حقوق کے لحاظ سے بیٹا اور بیٹیوں میں کوئی فرق نہیں ہے، پرورش، رضاعت، تعلیم وتربیت اور محبت وشفقت سمیت وہ تمام حقوق جو بیٹے کو حاصل ہیں وہی بیٹیوں کو بھی حاصل ہیں، بلکہ بیٹیوں کے حقوق کو زیادہ اہتمام سے ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

،،جس کے ہاں بچی ہو اور وہ اسے زندہ زمین میں نہ گاڑھے، اور نہ ہی اسے حقیر سمجھے اور نہ اس پر بیٹوں کو ترجیح دے تو اللہ تعالی اسے جنت میں داخل کریں گے۔،،(1)۔

اسلام اس سوچ کی شدت کے ساتھ حوصلہ شکنی کرتا ہے جس کے مطابق یہ نقطہ نظر سامنے آئے کہ چونکہ بیٹی بڑی ہو کر مالی معاونت نہیں کر سکتی اس لیے اس کے ساتھ بیٹوں کی طرح کا سلوک نہ کیا جائے ،اسلام نے بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کے حوالہ سے دنیاوی زاویہ نگاہ سے آگے آخرت کے نقطہ نظر سے سوچنے کا حکم دیا ہے۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے بیٹیوں کے حقوق کی ترجیح کو واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

،،سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری والا معاملہ کرو، اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں کو دیتا۔،،(2)۔
پیغمبر اسلام ﷺ انتہائی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی بچیوں کے حقوق کی رعایت کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

،،ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کا بیٹا آ گیا تو اس نے اسے پیار کیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اس نے اسے پہلو میں بٹھا لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ان دونوں میں انصاف تو نہیں کیا۔،،(3)۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب فی فضل من عال یتیما، ج4ص337، حدیث 5146۔
2۔ الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمي الشامي، أبو القاسم، م360ھ۔ المعجم الکبیر۔ محقق حمدي بن عبد المجید السلفي، قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، طبع اول 1415ھ،1995ء، باب عکرمہ عن ابن عباس، ج11ص354، حدیث 11997۔
3۔ شعب الایمان، باب حقوق الاولاد والاھلین، ج11ص154، حدیث 8327۔

بیٹی اس لیے بھی زیادہ حقوق کی مستحق ہے کہ وہ اپنے والدین کے ہاں چند سالوں کی مہمان ہوتی ہے، پھر وہ بیاہ کر اپنے خاوند کے پاس چلی جاتی ہے، اسی لیے اسلام میں جتنی تاکید بیٹی کے معاملے میں کی گئی ہے اتنی بیٹے کے معاملے میں نہیں ہے، نیز اسلام نے بیٹیوں کے درمیان بھی بلا تفریق انصاف اور برابری کا حکم دیا ہے اور ان کے درمیان کسی بھی چھوٹی بڑی تفریق کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ کی متعدد احادیث میں بیٹی کی پرورش کی فضیلت واضح کی گئی ہے جن میں سے جامع ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

،، جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ اور میں جنت میں یوں اکٹھے داخل ہوں گے، اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔،، (1)۔

حق عدل و انصاف کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اگر کوئی بیٹی شادی کے بعد اپنے ساتھ والدین کی طرف سے عدم مساوات کا رویہ دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کے ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے اس جائز حق مساوات و انصاف کا مطالبہ کرے، کیونکہ اپنے اس حق کے لینے میں خود سے کوتائی بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے گھرانوں میں بیٹیاں اپنے ساتھ نا انصافی ہوتی دیکھ کر بھی خاموش رہتی ہیں جبکہ شریعت نے انھیں اپنے حق کے مطالبے کا اختیار دے رکھا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سی بیٹیاں شریعت کی طرف سے عطا کردہ اپنے جیسی حقوق کے ناروا استعمال کی وجہ سے منہ زور اور خود سر ہو جاتی ہیں ایسا رویہ حق عدل و انصاف کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے جائز امور میں والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس حق کے سے تجاوز کی ایک شکل یہ صورت ہمارے معاشرے کے بعض گھرانوں میں شادی شدہ بیٹی کی اپنے میکے کے معاملات میں بے جا مداخلت ہے۔ بیٹی رخصت ہو کر اپنے شوہر کے گھر چلی جائے تو ایک الگ گھرانہ بسا لیتی ہے، اس کے بعد اسے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی طرف سے بہت سے حقوق تو حاصل رہتے ہیں، لیکن ان کے امور میں ایسی مداخلت کا حق نہیں رہتا جس سے ان کے خانگی معاملات میں کوئی فتنہ بپا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حق عدل و انصاف کی آڑ میں بہت سی بیٹیاں ایسے امور پر بضد ہو جاتی ہیں جن کی اجازت دینا والدین کے لیے شرعاً ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی روایات کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس سے بھی بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ بچیوں کا شریعت کی طرف سے ممنوع امور میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مساوات کا مطالبہ کرنا حق عدل و انصاف سے تجاوز ہے

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات والاخوات، ج4 ص319، حدیث 1914۔

بہت سی بچیوں کی شادی نہیں ہو پاتی یا وہ بیوہ یا متعلقہ ہو کر والدین کے گھر واپس آجاتی ہیں، ان کے ساتھ بعض اوقات ان کے والدین کا رویہ ناانصافی والا ہوتا ہے۔ اس موقع پر ان کا احساس کمتری اور احساس محرومی کا شکار ہو کر اپنے جائز حقوق سے دستبردار ہو جانا اپنے حق سے تجاوز ہے۔ اس لیے کہ ایسی بچیاں تو زیادہ توجہ کی مستحق ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،، کیا میں تمہیں افضل ترین صدقہ نہ بتاؤں وہ یہ کہ تم اپنی اس بیٹی پر خرچ کرو جو واپس تمہارے گھر آگئی ہو اور تمہارے علاوہ اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔،،(1)۔

2۔ حق نکاح:

بیٹی کے بالغ ہو جانے پر مناسب رشتہ ملتے ہی بیٹی کی رائے پوچھ کر اس کی شادی کروا دینا والدین کا فرض ہے۔ بیٹی کے سن بلوغت کو پہنچنے پر والدین کو بہت محتاط ہو جانا چاہیے اور بلا کسی شرعی مجبوری کے اس کی شادی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ بچیوں کی بروقت شادی میں بہت سے معاشرتی اور نفسیاتی و اخلاقی مسائل کا حل ہے۔ بیٹی کی بروقت مناسب جگہ شادی سے والدین کے کندھوں سے ایک بڑی ذمہ داری اتر جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بروقت شادی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، ان میں سب سے بڑی مثال یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی بالغ ہوتے ہی رخصتی فرما کر حضور ﷺ کے گھر روانہ کر دیا۔ اسلام میں بلوغت کے بعد بیٹی کی شادی میں بلاوجہ تاخیر ناپسندیدہ ہے۔

،، حضرت عمر بن خطاب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ برس کی ہوئی اور اس نے اس کی شادی نہ کی، پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھی تو اس گناہ اس کے والد کے سر ہے۔،،(2)۔ اس حدیث میں بارہ سال کا عدد بلوغت سے استعارہ ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے لیے جیون ساتھی کے انتخاب میں رہنمائی اور معاونت اور شادی کے وسائل مہیا کریں البتہ اسلام میں بیٹی کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ساتھی کا خود انتخاب کرے، اس کے لیے اسلام نے عورت کو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ جس آدمی کے لیے اس کا رشتہ مانگا جا رہا ہے وہ اسے دیکھ لے، مگر یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اسے آزادانہ ملاقاتیں اور خلوت شروع کر دے۔ سلطان اسید ندوی نے اس بارے میں ابن القیمؒ کے حوالہ سے استحباب نقل کیا ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب بر الوالد والاحسان الی البنات، ج2 ص1209، حدیث 3667۔

2۔ مسند احمد، حقوق الاولاد والاهلیه، ج11 ص138، حدیث 8302۔

،،شریعت اسلامیہ نے جس مقصد کی خاطر خاطب کو اپنی مخطوبہ کو دیکھ لینے کی تاکید وہدایت کی ہے، اس مقصد کا تقاضہ یہ ہے کہ مخطوبہ بھی خاطب کو دیکھ لے، چنانچہ فقہاء نے اسے بھی مستحب قرار دیا ہے۔،،(1)۔

اسلام نے والدین کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف نہ کریں اور اگر والدین اسکی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کروادیں تو وہ اس نکاح کو فسخ کرواسکتی ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

"ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ (لڑکے کو) پسند نہیں کرتی، تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ وہ نکاح فسخ کرنا چاہے تو کر سکتی ہے)۔،،(2)۔

یہ اختیار لڑکی کو رخصتی ہو جانے تک رہتا ہے، اور رخصتی ہو جانے کے بعد خلع، طلاق یا کسی شرعی عیب کی بنیاد پر ہی یہ اختیار حاصل ہو سکتا ہے۔

حق نکاح کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اسلام نے بیٹی کو یہ حق دیا ہے کہ اس کے والدین اس کی شادی اس کی مرضی معلوم کر کے کروائیں۔ بیٹی سے اجازت لینا یا اس کی مرضی معلوم کرنا محض خانہ پری نہیں ہے کہ رسمی طور پر یا زبردستی اس کی زبان سے اقرار کروایا جائے، ابن اسحٰق نے لکھا ہے۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے رشتہ کی بات کی تو آپ ﷺ نے ان سے کہا علی تمہارا ذکر کر رہے ہیں، اس پر وہ خاموش رہیں تو آپ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔،،(3)۔

ہمارے معاشرے میں اکثر گھرانوں میں یا تو بیٹی سے اجازت لی نہیں جاتی یا محض خانہ پری کی جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر بیٹی اگر اس رشتے پر رضامند نہ ہو تو اسے صاف انکار کر دینا چاہیے، اس کا نہ چاہتے ہوئے خاموش رہنا حق نکاح میں رضامندی کی

1۔ اسید، حافظ محمد سلطان ندوی۔ پاکیزہ نسل اور صالح معاشرہ کیوں اور کیسے؟۔ حیدر آباد، بھارت: مکتبۃ الاسید ٹولی چوک 2014، ص47۔

2۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، ج2 ص219، حدیث 2096۔

3۔ ابن اسحٰق، محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی بالولاء، المدنی، م151ھ۔ سیرت ابن اسحٰق۔ محقق سہیل ذکار، بیروت: دار الفکر، طبع اول 1398ھ۔1978ء، باب تزویج فاطمہ، ج1 ص247

شرط کا بے جا استعمال ہے۔

ہمارے ہاں بد قسمتی سے بہت سی بچیاں اپنا کردار داغدار کر بیٹھتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے رشتے نہیں آتے اور والدین دوہری اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ بچیوں کا ایسا طرز عمل والدین کو بیٹی کے حق نکاح کی ادائیگی سے روکنے کا سبب بنتا ہے، اور بچی کا اپنا مستقبل بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔

بہت سی بچیوں کورٹ میرج کا راستہ اپنا رہی ہیں جس کی وجہ سے وہ والدین کے حق نکاح کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ پسند کی شادی کے اپنے حق کا بھی بے جا استعمال کرتی ہیں، اس لیے کہ پسند کی شادی کا مطلب کورٹ میرج نہیں بلکہ والدین کے توسط سے مرضی کی شادی ہے۔

بعض والدین قبائلی ازم کی بنیاد پر علاقائی و قبائلی رسومات یا مال و دولت کے لالچ میں اپنی بیٹیوں کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر نامناسب جگہوں پر کر دیتے ہیں، یہ والدین کی طرف سے بیٹی کے حق نکاح سے تجاوز ہے، اور بیٹی کا خاموش رہنا بیٹی کی طرف سے اپنے حق نکاح کا بے جا استعمال ہے۔

3۔ حق میراث:

بیٹی کو اسلام میں اپنے والدین کا وارث ٹھہرایا گیا ہے، جس سے اسے کسی صورت محروم نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت نے نہ صرف یہ کہ بیٹی کو وارث ٹھہرایا ہے بلکہ اس کا حصہ بھی متعین کر دیا ہے تاکہ کوئی جبراً نہ تو اس کا حق کم کر سکے اور نہ اسے محروم کر سکے۔ بیٹی کے حق وراثت کی بنیاد قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (1)۔

،،اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔،،

اللہ نے بیٹی کا وراثت میں حصہ تو بیٹے کی نسبت آدھا رکھا ہے، لیکن اس کی متعدد ذرائع سے ایسی تلافی کی ورثت کے معاملہ میں وہ سب سے زیادہ فائدے میں رہتی ہے مثلاً پہلا تو یہ کہ اسے ہر طرح کی معاشی ذمہ داریوں سے شادی سے پہلے اور اس کے بعد بھی آزاد رکھا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ شوہر کی طرف سے ملنے والے مہر کو بلاشرکت غیر اس کا ذاتی حق قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا یہ

1۔ النساء 11۔

کہ شادی وغیرہ کے مواقع پر ملنے والے تحائف واموال اس کا ذاتی حق ہے کوئی اسے اس پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس سے لے سکے۔ چوتھا یہ کہ اگر اس کے پاس کوئی ذاتی جائیداد وغیرہ ہو تو کوئی بھی اسے اس کی مرضی کے بر خلاف اس کے استعمال پر مجبور نہیں کر سکتا۔ پانچویں یہ کہ بیٹی بعض اوقات اپنے خاوند اور بہن بھائیوں کی وراثت سے بھی حصہ پاتی ہے۔

یہ انتہائی بد قسمتی اور ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے واضح احکامات کے باوجود ہمارے معاشرے میں عملاً بیٹی کے حق میراث کو تسلیم نہیں کیا گیا اور بیٹیوں کو ان کی وراثت سے محروم کیا جاتا ہے۔ انھیں پرائی چیز سمجھ کر شادی کے وقت جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر روانہ کر دیا جاتا ہے، اور انھیں خاندانی جائداد اور وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا۔ اس طرح کر نا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اکثر دیندار کہلانے اور سمجھے جانے والے لوگ بھی اس بارے میں غفلت کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی نماز روزے کی طرح دینی فرض ہے، بلکہ حقوق العباد میں سے ہونے کے باعث اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے حتیٰ کہ بیٹی کی طرف سے اپنے حق میراث کو معاف نہ کیا جائے یا اس میں ہونے والی کوتاہی کو دل سے معاف نہ کیا جائے اس وقت تک اللہ بھی اس گناہ کو معاف نہیں کریں گے۔

ایک قابل توجہ مسئلہ:

جب تک بیٹی وراثت میں اپنا حصہ وصول کر کے اپنے قبضے میں نہ لے لے اس وقت تک محض زبانی معاف کرنے، یا کسی دوسرے وارث کو اپنا حصہ چھوڑ دینے کا اعتبار نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ فقہاء نے صاف لکھا ہے۔

"الارث جبری لا یسقط بالاسقاط" (1)۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کے معاف کرنے سے قبل اس پر قبضہ کر لینا ضروری ہے۔

حق وراثت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

آج کل معاشرے میں بیٹی کے حق وراثت کے بارے میں بہت سی کوتاہیاں ہو رہی ہیں اور ان میں سے بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اپنا یہ حق نہ لینے میں بیٹی کا اپنا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے جو اس کی طرف سے بعض صورتوں میں حق وراثت کا بے جا استعمال اور بعض صورتوں میں حق وراثت سے تجاوز ہے۔ بہت سے گھرانوں کی بچیاں معاشرے کی فرسودہ اور لادین روایات یا بھائیوں کے دباؤ کی وجہ سے اپنا حق وراثت چھوڑ دیتی ہیں جن کے مطابق بچی کا وراثت لینا اس کے میکے کے ساتھ لالچ کے رویے کے زمرے میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ لالچ کا رویہ نہیں ہے بلکہ اس کا ایسا جائز قانونی حق ہے جو اسلام اور معاصر ملکی قوانین میں تسلیم شدہ ہے۔ ایسا کرنا بچی کی طرف اس حق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ اپنا حق چھوڑ دینا بھی حق کا بے جا استعمال ہے۔

1۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی م 1252ھ۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ۔ دار المعرفۃ، ت۔ن۔ کتاب الدعوی، ج 2 ص 26۔

بہت کم مگر کچھ گھرانوں میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ بیٹی بیٹے کے برابر حصے کا مطالبہ کر دیتی ہے، ایسا کرنا حق وراثت سے تجاوز کے ذیل میں آتا ہے چونکہ شریعت نے خود بیٹی کا حق بیٹے سے نصف منصوص کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (1)۔

،،اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر ،،

کچھ بچیاں اپنی خوشی سے اپنا حصہ معاف کر دیتی ہیں اور پھر مستقبل میں دوبارہ اس کا مطالبہ شروع کر دیتی ہیں، یہ عمل بھی حق وراثت سے تجاوز ہے اس لیے کہ حدیث میں ھبہ کر کے اس کی واپسی کا مطالبہ ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ اور ذی رحم محرم سے ھبہ شدہ چیز کی واپسی کا مطالبہ تو ویسے ہی ممنوع ہے۔(2)۔

بہت سی بچیاں اس لیے وراثت میں اپنے حصے سے سے زیادہ کا مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کے والد کی زیادہ شادیاں کی ہوتی ہیں۔ وہ یہ دیکھتی ہیں کہ ان کے سوتیلے بہن بھائیوں کی تعداد ہم سے زیادہ ہے تو وہ اپنے منصوص حق سے زیادہ کا مطالبہ شروع کر دیتی ہیں یہ بھی اپنے حق سے تجاوز ہے۔ اس لیے کہ ورثاء کے حصے منصوص ہیں۔

ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں بیٹیاں وراثت میں اپنے حصے پر قبضے سے قبل بلکہ تقسیم وراثت سے قبل ہی اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی اپنے حق کا بے جا استعمال ہے، کیونکہ وراثت جبری عطا ہے جس پر قبضے سے پہلے اس سے دستبردار نہیں ہوا جا سکتا۔(3)۔

1۔ النساء 11۔

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی الرجوع فی الھبہ، ج 3 ص 585۔

3۔ ابن عابدین، العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ، کتاب الدعویٰ، ج 2، ص 26۔

باب سوم

والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

فصل اول

والدین کے بارے احکامات

مبحث اول: والدین کی فضیلت واہمیت

مبحث دوم: والدہ کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: والد کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

والدین کے بارے احکامات:

والدین کی فضیلت واہمیت:

بچہ اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو ایک بے بس کا ننھا سا وجود ہوتا ہے۔اس میں نہ بولنے کی قوت ہوتی ہے نہ چلنے پھرنے کی سکت،اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی کہ کچھ کھا ہی سکے۔ایسے میں ماں کا وجود اس کے لیے بڑی نعمت ہوتا ہے جو ہر لمحہ اس کی نگرانی کرتے ہوئے اسے دودھ پلانے سے لیکر اس کی نگہداشت کی ہر ذمہ داری پورا کرتی ہے۔اس کی راتوں کی نینداور دنوں کا سکھ چین اس کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔باپ کی شفقت اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچاتی ہے،اس کی محبت کی چھاؤں اسے زمانے کے رنج و تکلیف سے دور کر دیتی ہے۔ان کی پرورش کے نتیجے میں وہ شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اسے صاف نظر آتا ہے کہ اسے اس مقام پر پہنچانے والے اس کے والدین ہیں۔والدین بچے کے دنیا میں آنے کا سبب بنتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر اپنی وحدانیت کا ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (1) ۔

،،اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔،،

بلکہ دوسرے مقام پر اپنی وحدانیت کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے فرمایا گیا۔

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (2)۔

،،اور فیصلہ کر دیا ہے آپ کے رب نے کہ تم عبادت کرو کسی کی سوائے اس کے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو،،

اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں،ان سب میں بلا ان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے،اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں مل سکتی۔لیکن والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ محبت بے غرض ہوتی ہے،ان کا جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے،لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے،اسی لیے اللہ نے بھی حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ اور مقدم رکھا ہے۔حقوق العباد میں ان کے حقوق کو فوقیت حاصل ہے۔اسلام میں والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں بھی اکبر الکبائر قرار دیا گیا ہے۔اور اس گناہ کی ہولناکی واضح کرنے کے لیے احادیث میں اس کا ذکر شرک کے ساتھ کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن میں والدین کے حقوق

1۔النساء36۔

2۔بنی اسرائیل23۔

کاذکر اللہ کی وحدانیت کے ساتھ مذکور ہے۔ بخاری کی روایت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہوں سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتایئے یارسول اللہ (ﷺ) آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔،،(1)۔

یہ محض حسن اتفاق نہیں کہ قرآن مجید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ کی توحید کے ساتھ اور احادیث میں والدین کی نافرمانی کے گناہ کا ذکر شرک کے ساتھ ہے، بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کہ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں سب سے اہم والدین کا حق ہے۔ اور اللہ کی یکتائی کے اقرار کے بعد انسان پر جو سب سے پہلا فرض عائد ہوتا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

،،ذلیل ورسوا ہو، ذلیل ورسوا ہو، ذلیل ورسوا ہو، پوچھا گیا یارسول اللہ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین میں سے دونوں یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور پھر بھی (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکا۔،،(2)۔

والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں:

قطع رحمی بالخصوص والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے جس کی سزا دنیا میں ہی انسان کو مل جاتی ہے اور دراصل یہ مکافات عمل کا نتیجہ ہے۔ والدین کی نافرمانی کی دنیاوی سزا کا ذکر شعب الایمان کی ایک حدیث میں ہے۔

،،والدین کی نافرمانی کے علاوہ ہر گناہ اگر چاہے تو اللہ معاف کر دے، (سوائے شرک کے) لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والے کو موت سے قبل دنیا ہی میں عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔،،(3)۔

جبکہ اس کے برعکس والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی جزا بھی نقد دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

،،جسے یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر دراز اور اس کے رزق میں کشادگی ہو تو اسے چاہیے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرے۔،،(4)۔

1۔ صحیح بخاری، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ج8ص4، حدیث 5976۔

2۔ صحیح مسلم، باب رغم انف من ادرک ابویہ احدھما، ج1ص95، حدیث 2551۔

3۔ شعب الایمان، باب حدیث تحریج العابد، ج10ص289، حدیث 7506۔

4۔ مسند احمد، باب مسند انس بن مالک، ج21، ص93، حدیث 13401۔

خاندان کا مظہر والدین کا وجود ہے۔ماں باپ کے بغیر کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا،ماں باپ کی بقا پر معاشرے کی بقا کا انحصار ہے۔بیوی اور خاوند کا سب سے اچھا روپ ماں باپ والا ہے۔یہ روپ خدا کی رحمت اور اس کے انتظام کا عکس ہے۔ ولدیت کا انکار کفر کے مترادف ہے:

اپنے باپوں سے بے رغبتی کا اظہار مت کرو،جس نے اپنے باپ سے بے رغبتی دکھائی تو وہ کفر ہے۔،،(1)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن بطال کے حوالہ سے لکھا ہے۔

،،جو شخص معلوم ہونے کے باوجود اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف جان بوجھ کر اپنی نسبت کرے،تو اس کا یہ عمل کفر کے مترادف ہے۔اور یہاں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں ہے جس سے ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے گا۔اور یہاں اس فعل پر کفر کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ گویا اس نے اللہ پر جھوٹا الزام لگایا ہے کہ اس نے اسے اس کے والد کے نہیں بلکہ فلاں کے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔،،(2)۔

اس کائنات میں خدا کے بعد اولین حیثیت والدین کو ہے یہ انسانی رشتوں کی بنیاد یہی ہیں۔اور خدا کی صفت رحمت اور انتظام کا پرتو بھی یہی ہیں۔ڈاکٹر خالد علوی رقمطراز ہیں۔

،،والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک عائلی اور معاشرتی خوبی ہے جس کے ہونے اور نہ ہونے کے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔خاندان میں والدین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے،اس لیئے ان کے ساتھ حسن سلوک خاندان اور معاشرے کو ایثار ہمدردی اور انس و محبت کے جذبات دے گا،ان کی اطاعت و احترام معاشرے میں ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا کرے گی۔والدین کے حقوق کی عدم ادائیگی اور بد سلوکی کے نتیجہ میں خود غرضی کی فضا عام ہو گی،جو افراد کے اندر جذبہ اطاعت کو ختم کر دے گی۔آزاد خیالی وجود میں آئے گی،اور شتر بے مہار قسم کے وہ افراد پرورش پائیں گے جنہیں قانون،احکام اور اخلاق کی پابندی کا احساس نہیں ہو گا۔،،(3)۔

1۔ صحیح بخاری،باب من ادعی الی غیر ابیہ،ج8ص156،حدیث 6768۔

2۔ابن حجر،أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي۔فتح الباري شرح صحیح البخاري۔بیروت:دار المعرفة،1379ھ ،ج12ص55۔

3۔خالد علوی،اسلام کا معاشرتی نظام،ص223۔

اسلام والدین کے اس قدر احترام کا حکم دیتا ہے کہ دوسرے کے والدین کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے تا کہ کوئی جواب میں اس کے والدین کو برا بھلا یا گالی نہ دے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے۔

،،کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔ حاضرین نے عرض کیا کوئی شخص کیسے اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کسی کے باپ کو گالی دے، وہ کسی کی ماں کو گالی دے، اور وہ پلٹ کر اس کے ماں باپ کو بھی گالی دے۔،،(1)۔

حسن سلوک کی صورتیں:

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی مختلف صورتیں قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ان کے مطابق سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اولاد کا رویہ شکر گزاری والا ہو۔اور ان سے شکوے و شکایت سے اجتناب کیا جائے۔ حسن سلوک کی دوسری صورت یہ ہے کہ والدین کو ہر جائز ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔اس لیے کہ ارشاد ات نبوت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی رضا والد کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ حسن سلوک کی تیسری صورت یہ ہے کہ والدین کی خدمت کی جائے،اس لیے کہ حدیث میں والدین کی خدمت کو دنیا اور آخرت کی مصیبتوں کے دور کرنے کا سبب بتایا گیا ہے۔والدین کے ساتھ حسن سلوک کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ ان کے ساتھ عاجزی وانکساری سے پیش آیا جائے۔ حسن سلوک کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ والدین کا ادب واحترام کیا جائے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا جائے۔ گفتگو میں نرمی کرنا بھی حسن سلوک کا تقاضہ ہے۔ان کی اطاعت فرمانبرداری کرنا بھی حسن سلوک ہے۔والدین کی مالی ضروریات کو پورا کرنا بھی حسن سلوک میں شامل ہے۔اور حسن سلوک کا یہ بھی تقاضا ہے کہ والدین کے لیے دعا کا اہتمام کیا جائے۔

1۔ صحیح بخاری، باب لا یسب الرجل والدیہ، ج8 ص3، حدیث 5973۔

والدہ کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

والد اور والدہ دونوں کا اولاد پر بڑا حق ہے، لیکن والدہ کا حق زیادہ ہے، اس لیے کہ اولاد کی خاطر والدہ کو والد کی نسبت زیادہ مشکل اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے قرآن مجید میں والدین کے حقوق کے تذکرہ کے دوران والدہ کی خصوصی مشقتوں کا ذکر اس کے بارے میں خصوصی حقوق کا متقاضی ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (1)۔

"اور ہم نے وصیت کی انسان کو اس کے والدین کے بارے میں اس کو اٹھائے رکھا اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر اور اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سال میں کہ تم شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا اور میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔"

نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی والدہ کے زیادہ حقوق پر صراحت کے ساتھ زور دیا گیا ہے۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میرے بہترین سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری والدہ، اس نے عرض کی پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، اس نے عرض کی پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، اس نے چوتھی بار عرض کی پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا والد۔" (2)۔

مذکورہ آیت اور حدیث سے اسلام میں والدہ کے خصوصی حقوق کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں والدہ کو بہت سے اخلاقی اور قانونی حقوق حاصل ہیں، لیکن زیر نظر سطور میں صرف ان حقوق کا ذکر کیا جائے گا جن میں عموماً ہمارے معاشرے میں زیادہ کوتاہیاں کی جاتی ہیں، اور ماؤں کی طرف سے بھی اپنے ان حقوق کا بے جا استعمال یا ان حقوق سے تجاوز سامنے آتا ہے۔

1۔ حق اطاعت:

شریعت اسلام میں ہر جائز کام میں والدہ کا حکم ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت جائز امور میں ضروری ہے۔ خلاف شرع امور کے علاوہ دیگر امور میں والدہ کی اطاعت فرض عین ہے۔ اس لیے نوافل یا فرض کفایہ کے مقابلے میں والدین کی اطاعت اہم ہے۔ امام مسلمؒ نے نفلی عبادات

1۔ لقمان 14۔

2۔ صحیح بخاری، من احق الناس بحسن الصحبة، ج 8 ص 2، حدیث 5971

پر ماں کے حکم کے مقدم ہونے پر متفق علیہ حدیث پیش کی ہے، اور کتاب الگ باب قائم کر کے اس کا نام ،، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نفلی نماز وغیرہ مقدم ہونے کے بیان میں ،، رکھا ہے۔ اس باب میں انھوں نے یہ روایت لائی ہے۔

،، حضرت ابوہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ جریج اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ ان کی ماں آگئی حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ (رض) نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنا سر ابن جریج کی طرف اٹھا کر ابن جریج کو آواز دی اور کہنے لگیں اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر ابن جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ابن جریج نے کہا اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے پھر ابن جریج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا اے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے اے اللہ ابن جریج کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے آپ ﷺ نے فرمایا اگر جریج کی ماں اس پر یہ دعا کرتی کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا آپ ﷺ نے فرمایا بھیڑوں کا ایک چرواہا تھا جو جریج کے عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا (ایک دن) گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حاملہ ہو گئی (جس کے نتیجہ میں) اس عورت کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے اس عورت نے کہا اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا لڑکا ہے (یہ سنتے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھاوڑے لے کر آئے اور انہیں (جریج کو) آواز دی وہ نماز میں تھے انہوں نے کوئی بات نہ کی تو لوگوں نے اس کا عبادت خانہ گرانا شروع کر دیا۔ جریج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اتر آئے لوگوں نے اس سے کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے جریج ہنسا اور پھر اس نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے کہا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے نے کہا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ گرایا ہے ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں بلکہ تم اسے پہلے کی طرح مٹی ہی کا بنا دو اور پھر ابن جریج اوپر چلے گئے۔،، (1)۔

،، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ عورت کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کے خاوند کا ہے۔ میں نے پوچھا مرد کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کی ماں کا۔،، (2)۔

اگر والد اور والدہ کی اطاعت اور خدمت کے سلسلے میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے، یعنی ایک طرف والد ہو اور دوسری طرف

1۔ صحیح مسلم، باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع، ج4 ص1976، حدیث 2550۔

2۔ مستدرک حاکم، کتاب البر والصلہ، ج4 ص167، حدیث 7244۔

والدہ، تو اطاعت (یا دوسرے لفظوں میں نظم ونسق اور گھریلو انتظام وانصرام) سے تعلق رکھنے والے معاملہ میں والد کو والدہ پر ترجیح دی جائے گی۔ کہ جبکہ احسان، سلوک وغیرہ سے تعلق رکھنے والے معاملات میں والدہ کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے کہ حق قوامیت کی رو سے والد کو گھر کی سربراہی کا جو درجہ حاصل ہے اس کی رو سے نہ صرف اولاد بلکہ ان کی والدہ بھی ان کے والد کے احکامات کی پابند ہے۔

حق اطاعت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں بہت سی مائیں اپنے حق اطاعت کا بے جا استعمال کرتی ہیں جس کی وجہ سے خانگی زندگی میں بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ درپیش مسئلہ یہ ہے کہ بیٹوں کی شادی کے بعد بہت سی مائیں بیٹے کو ایسے احکامات دیتی ہیں جن کے پورا کرنے کی صورت میں ان کے تعلقات ان کی بیوی سے بگڑ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بہت سے مسائل میں والدہ کا موقف درست بھی ہوتا ہے لیکن ناجائز احکامات بھی۔ مائیں اپنا حق اطاعت استعمال کرنے لگتی ہیں تو اس سے بیوی کے حقوق متاثر ہونے لگتے ہیں، اور یہ بیٹے کی خانگی زندگی میں دخل اندازی کے مترادف ہے۔ نیز بہت سی مائیں بیٹوں کے کان بھر کر انھیں ان کی بیویوں سے متنفر کرتی رہتی ہیں، ماؤں کے ایسے اقدامات حق اطاعت کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ خاوند ہونے کی حیثیت سے بیٹے کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔ ارشاد ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (1)۔ ،،اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو۔،،

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سی مائیں بیٹیوں کو بیاہ کر دینے کے بعد اپنے حق اطاعت کی آڑ میں ان کے گھریلو معاملات میں دخل دینے کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کو اپنے شوہر اور سسرال سے متنفر کر دینے والے امور پر اکساتی اور مجبور کرتی رہتی ہیں یہ حق اطاعت سے تجاوز ہے۔ اس لیے کہ اپنے حق کا غلط استعمال بھی حق سے تجاوز ہے۔

بعض گھرانوں میں ماں اور باپ کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں، ان اختلافات میں عموماً اولاد کی ہمدردیاں اپنی ماں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں مزید بگاڑ آتا ہے۔ مائیں اپنے حق اطاعت کا غلط استعمال کر کے اولاد کو والد کے خلاف کسی اقدام پر مجبور کر دیتی ہیں۔ یہ اقدامات ماں کی طرف سے حق اطاعت کا بے جا استعمال ہیں، اس لیے کہ سربراہ خانہ کی حیثیت سے اس کے شوہر کو نہ صرف اس پر بلکہ اس کی اولاد پر بھی حق قوامیت حاصل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے والدہ کے ساتھ والد کے بھی تو حقوق رکھے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

1۔ النساء 19۔

رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی خفگی والد کی خفگی میں ہے۔،،(1)۔

بہت سی مائیں اولاد کو غیر شرعی امور کی بجاآوری کا حکم دیتی ہیں اولاد پر ایسے امور میں ماؤں کی اطاعت ناجائز ہونے کے علاوہ یہ ماں کی طرف سے حق اطاعت سے تجاوز ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا(2)۔

،،اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔،،

2۔حق نفقہ:

اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنی والدہ کی مالی ضروریات اور نان نفقہ کا بندوبست کریں۔اگر والدہ نادار ہو اور اس کا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو تو اس وقت یہ اخراجات اٹھانا اولاد پر فرض ہے قرآن مجید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا شکر ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں یہ بات شامل ہے کہ والدین اپنی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہوں تو ہر طرح سے ان کا خیال رکھا جائے،اور ان کے تمام مالی اخراجات برداشت کیے جائیں۔شکر ادا کرنے کا سب سے بہترین طریقہ اور بڑی نیکی یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ان پر خرچ کیا جائے۔نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کے مال میں سے خرچ کرنے کے لیے ان سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،سب سے پاکیزہ چیز جو تم کھاتے ہو وہ وہ ہے جو تم نے (اپنی محنت سے) کمایا اور تمہاری اولاد کا مال بھی تمہاری ہی کمائی ہے۔،،(3)۔

والدین کے نفقہ کے اولاد پر واجب ہونے کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے۔ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

،،اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مستحق اور نادار والدین جن کی آمدن کا کوئی ذریعہ نہ ہو ان کے تمام واجبی اخراجات کی ذمہ داری ان کے بیٹوں پر ہے۔،،(4)۔

مذکورہ اجماع سے نادار والدین کے بیٹوں پر نفقہ کے لازمی ہونے کا جو حکم ملتا ہے اس سے والدہ کے نفقہ کا بالخصوص حکم معلوم ہوتا ہے۔

1۔سنن ترمذی، باب ماجاء من الفضل فی الرضی الوالدین، ج4ص310، حدیث 1899۔

2۔لقمان15۔

3۔مسند احمد، باب مسند عائشہ بنت صدیق، ج42ص176، حدیث 25296۔

4۔ابن قدامہ، المغنی، باب فضل الانفاق علی الاولاد والوالدات، ج8ص212۔

ہوتا ہے، اس لیے کہ عورت پر کسب معاش کی ذمہ داری کسی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر رکھی ہی نہیں گئی۔ اگر کوئی اولاد اپنی ماں کا نفقہ دینے پر آمادہ نہ ہو تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد سے ماں کا نفقہ دلوائے۔

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگا کہ میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے ہو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے تو اپنی اولاد کے مال سے کھاؤ۔،،(1)۔

قرآن مجید میں بھی خراجات میں والدین کا حق سرفہرست بیان کیا گیا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ (2)۔

،،یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو بھی تم خرچ کرو مال واسباب میں سے تو والدین پر،،

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف رقمطراز ہیں۔

،، بعض صحابہ کرام کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کئے جا رہے ہیں یعنی یہ سب سے زیادہ تمہارے مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے زکوۃ سے متعلق نہیں کیونکہ ماں باپ پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔(3)۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اولاد اگر نادار اور غریب بھی ہو تو اس پر والدہ کا نفقہ علیہ ہے۔ (4)۔

حق نفقہ کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

آج کل بہت سے مسلمان معاشروں میں والدہ کی جانب سے اپنے حق نفقہ کی حدود سے تجاوز کی مختلف شکلیں سامنے آرہی ہیں جن کے خانگی زندگی پر بہت منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ بہت سے گھرانوں میں مائیں بیٹوں کی مہینے بھر کی آمدنی کی پائی پائی کا حساب کر کے اپنے پاس رکھ لیتی ہیں، یہاں تک کہ اس کمانے والے بیٹے کو اس کا یہ خرچ

1۔ سنن ابوداؤد، باب الرجل یاکل من مال ولدہ، ج3ص289، حدیث 3530۔

2۔ البقرہ215۔

3۔ یوسف، مولانا صلاح الدین۔ تفسیر مکہ۔ سعودی عرب: مطبع شاہ فہد قرآن کمپلیکس، 1414ھ، 1994ء۔ تفسیر سورہ بقرہ، آیت - 215۔

4۔ لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین البلخی۔ الفتاوی الہندیۃ۔ بیروت: دار الفکر، طبع ثانی 1310ھ، ج1ص564۔

بھی خود دیتی ہیں۔ یہ بظاہر تو والدہ کی سرپرستی کی ایک صورت ہے، لیکن اس کی وجہ سے بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ پوری آمدنی ماں کے حوالے کرنے کے بعد بیٹا اپنی بیوی، بچوں کی ضروریات کے لیے ماں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے، یا بیوی اپنے خاوند کی آمدنی میں سے اپنے کسی جائز حق کا مطالبہ کرتی ہے تو جواب میں ماں کی طرف سے ملنے والا جواب یا اس کا رویہ خانگی جھگڑوں کا سبب بن جاتا ہے۔ ماں کا ایسا طرز اپنے حق نفقہ کا بے جا استعمال ہے، اس لیے کہ ماں اپنا نفقہ لینے کی تو حقدار لیکن بہو اور پوتے پوتیوں کے نفقہ میں قدغن لگانا اس کا حق نہیں ہے۔ اور بیوی کا نفقہ بھی خاوند پر اس کی مالی حیثیت کے مطابق فرض ہے، جس کی ادائیگی خاوند پر لازمی کی گئی ہے نہ کہ اس کی والدہ پر۔ اس لیے والدہ کو یا تو صرف اپنا نفقہ لینے کا حق ہے یا ساری آمدنی لینے کی صورت میں بیٹے کے بیوی بچوں کے اخراجات بھی بیٹے کی مالی وسعت کے مطابق ماں کو ادا کرنے ہوں گے۔ ایسا نہ کرنا حق نفقہ کا بے جا استعمال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ (1)۔

،،مالدار کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور تنگ دست جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے۔،،

ہمارے ہاں آج کل ماں کی جانب سے اس حق کے بے جا استعمال کی ایک صورت یہ بھی سامنے آ رہی ہے کہ ماں اپنے سب بیٹوں سے برابر اپنا نفقہ لیتی ہے، حالانکہ سب کی آمدن برابر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے غریب اور نادار بیٹے متاثر ہوتے ہیں ایسا کرنا اس حق کا بے جا استعمال ہے۔

3۔ حق میراث:

اسلامی قانون میراث کے مطابق ماں کو اپنے بیٹے کے ترکہ میں حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے قرآن مجید میں والدین کے لیے وراثت کے حق کی تفصیلات بتاتے ہوئے والدہ کے حصے کی مختلف صورتیں یوں بیان کی گئی ہیں۔

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ (2)۔

،،اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔،،

،،ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت کہ مرنے والے کی اولاد بھی ہو تو مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دو تہائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا مرنے والے کی اگر صرف ایک بیٹی ہو تو

1۔ الطلاق 7۔

2۔ النساء 11۔

نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے تین حصے بیٹی کے ہونگے اور ماں کو ملیں چھٹا حصہ ماں کو اور چھٹا حصہ باپ کو دینے کے بعد مزید ملیں چھٹا حصہ باقی بچ جائے گا اس لئے بچنے والا یہ چھٹا حصہ بطور سربراہ باپ کے حصہ میں جائے گا۔ یعنی اس صورت میں باپ کو دو چھٹے حصے ملیں گے ملیں باپ کی حیثیت سے اور دوسرے، سربراہ ہونے کی حیثیت سے۔

دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں شامل ہیں) اس صورت میں ماں کے لئے تیسرا حصہ اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے میں دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آرہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لئے تیسرا حصہ اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے یعنی ملیں ہی ماں باپ کی اولاد ہوں اور اگر اولاد بیٹا یا بیٹی اگر الگ باپ سے ہوں تو ورآئے کے حقدار نہیں ہونگے۔ لیکن ماں کے لئے حجب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے یعنی بلکیں سے زیادہ ہونگے تو ماں کے (تیسرے حصے) کو چھ حصوں میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (۲/۵) باپ کے حصے میں چلا جائے گا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ (1)۔

حق میراث کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

چند گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مائیں اپنے مرحوم بیٹے کی میراث میں اپنے حق سے زیادہ کے مطالبے پر کمر بستہ ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی بیوہ بہو اور یتیم پوتے پوتیوں کے حصص میں کمی آرہی ہوتی ہے، لیکن وہ بیٹے کے ساتھ اپنے حق سب کو جتاتے ہوئے اپنے شرعی حق سے زیادہ پر بضد رہتی ہیں۔ ایسا عمل حق ورآئے سے تجاوز ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے یتیم اور عورت کے حقوق غصب کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا۔

،،اے اللہ میں دو کمزوروں یتیم اور عورت کے حقوق غصب کرنے کو حرام کرتا ہوں۔،، (2)۔

1۔ صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ، تفسیر سورۃ ءآئے 11۔

2۔ سنن ابن ماجہ، باب حق الیتیم، ج2 ص1213، حدیث 3678۔

والد کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بحیثیت باپ اور بحیثیت سربراہ خانہ والد کو اسلامی تعلیمات میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہ وہ عظیم ہستی ہے کہ جس کی رضامندی سے خالق کائنات کی رضامندی وابستہ ہے۔ اسلام میں والد کو خوش رکھ کر اس کی دعائیں لینے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے ناراض کر کے اس کی بددعا سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

،، تین دعائیں ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔ مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی اپنے بیٹے کے خلاف دعا۔،،(1)۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

،، والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے، چاہو تو اس کی حفاظت کرو، چاہو تو اسے ضائع کر ڈالو۔،،(2)۔

اسلام میں والد کو بہت سے اخلاقی اور قانونی حقوق حاصل ہیں، لیکن زیر سطور میں صرف ان کا ذکر کیا جائے گا جن عموماً ہمارے معاشرے میں زیادہ کوتاہی کی جاتی ہے، اور والد کی طرف سے بھی ان حقوق کا بے جا استعمال یا ان تجاوز سامنے آتا ہے۔

1۔ حق اطاعت:

بحیثیت والد اور بحیثیت سربراہ خانہ والد کو اسلامی تعلیمات میں خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ شریعت اسلام میں ہر جائز کام میں والد کا حکم ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت جائز امور میں ضروری ہے۔ خلاف شرع امور کے علاوہ دیگر امور میں والد کی اطاعت فرض عین ہے۔ اس لیے نوافل یا فرض کفایہ کے مقابلے میں والدین کی اطاعت اہم ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے جہاد جیسے اہم فرض (جب فرض کفایہ ہو) میں شرکت ہونے کے لیے بھی والدین کی اجازت کو لازمی قرار دیا ہے۔

،، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی یمن سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کی میرے والدین ہیں۔ آپ ﷺ نے

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی دعوۃ الوالدین، ج4ص314، حدیث 1905۔

2۔ ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التمیمی، أبو حاتم، الدارمی، البُستی م354ھ۔ الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان۔ بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، طبع اول 1408ھ - 1988ء باب ذکر رجاء دخول الجنان للمراہ، ج2ص168۔

فرمایا کیا انھوں نے تمھیں اجازت دی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان کے پاس واپس جا کر اجازت مانگو، اگر اجازت دے دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کی خدمت کرو۔،،(1)۔

اسلامی تعلیمات میں انسان کی ذاتی زندگی میں بھی اس کے والدین کے احکامات پر عمل کرنے کو لازمی کہا گیا ہے۔ چنانچہ والد اگر کسی معقول بنا پر بیٹے کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے تو بیٹے پر والد کے اس حکم کو بجالانا ضروری ہے۔

،،ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا، اور میرے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اسے ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ عمر نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی (کہ میں اسے طلاق دینے کا کہتا ہوں اور یہ نہیں دیتا) تو نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اسے طلاق دے دو تو میں نے اسے طلاق دے دی۔،،(2)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو بہت سے محدثین نے،، باپ بیٹے کو اس کی بیوی کے طلاق دینے کا حکم دے تو باپ کا حکم ماننا پڑے گا۔،، کے عنوان کے تحت متعدد کتب میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی والد اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر یا غلطی سے جان سے مار ڈالے تو بھی والد سے قصاص یا دیت نہیں لی جا سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،والد کو بیٹے کے بدلے میں قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔،، (3)۔

علامہ عینیؒ نے ہدایہ کی شرح بنایہ میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ۔

،،اگر والد اپنے بیٹے کو قتل بالارادہ کرے، یا اس پر تلوار یا چھری سے وار کرے اور قتل کا ارادہ نہ بھی ہو (اور وہ مر جائے) تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔،،(4)۔

اسلام میں والدین کے ساتھ حسن سلوک و اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مندرجہ ذیل احکامات حاصل ہوتے ہیں۔
1۔ نافرمان کے رزق اور عمر میں برکت نہیں ہوتی۔ 2۔ نافرمان کے لیے والدین کی بددعا دارین میں بربادی ہے۔

3۔ والدین کی نافرمانی کرنے والوں کی اولاد بھی نافرمان ہوتی ہے۔ 4۔ والدین کے نافرمان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب فی الرجل یغزو وابواہ کارھان، ج3 ص17، حدیث 2530۔
2۔ سنن ابوداؤد، باب فی بر الوالدین، ج4 ص335، حدیث 5138۔
3۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرجل یقتل ابنہ یقاد منہ ام لا، ج4 ص19، حدیث 1401۔
4۔ البنایہ شرح الھدایہ، باب الحکم اذا قتل الرجل امراۃ، ج13 ص83۔

حق اطاعت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

عصر حاضر والد کی طرف سے اپنے حق اطاعت کے بے جا استعمال اور اس سے تجاوز کی مختلف صورتیں در پیش ہیں۔ بہت سے گھرانوں میں والد کی طرف سے اولاد کو غیر شرعی امور کی بجا آوری کا حکم دیا جاتا ہے، اور عدم بجا آوری کی صورت میں اولاد کے لیے مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں اولاد پر اپنے والد کے احکامات کی بجا آوری ضروری نہیں ہے، اور والد کا ایسا کرنا اپنے حق اطاعت سے تجاوز ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔

،،خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔،،(1)۔

بعض گھرانوں میں والد کی طرف سے بغیر کسی معقول شرعی عذر کے بیٹے کو اس کی بیوی کو طلاق پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بغیر معقول شرعی وجوہات بہو کو طلاق دلوانے کا حکم حق اطاعت کا بے جا استعمال ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،حلال کاموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔،،(2)۔

اللہ کے ناپسندیدہ کام کو بغیر شرعی وجہ کے کرنے پر مجبور کرنا حق اطاعت کا بے جا استعمال ہے۔

بہت کم مگر بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ والد اپنی بیٹی کو بغیر کسی معقول شرعی مجبوری اپنے کسی مفاد کے پیش نظر طلاق لینے کا مشورہ نما حکم دے کر اس کی پاسداری کا مطالبہ کرتے ہیں یہ بھی حق اطاعت کا بے جا استعمال ہے۔

بعض اوقات والد کی جانب سے حق اطاعت استعمال کرتے ہوئے بیٹے اور بیٹی کی ازدواجی زندگی میں ایسی مداخلت کی جاتی ہے جو ان کے گھر اجڑنے کا سبب بن جاتی ہے، ایسا کرنا حق اطاعت کا بے جا استعمال ہے۔

2۔ حق نفقہ:

قرآن کریم، سنت رسول ﷺ، اجماع اور دیگر متعدد دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اولاد پر لازم ہے کہ وہ والد کی مالی ضروریات پوری کریں۔ والد اگر محتاج اور ضرورت مند ہو تو اس کا نفقہ اولاد کے ذمے واجب ہے خواہ وہ خود کمانے کی استطاعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ یہ مؤقف حنفی اور شافعی فقہاء کا ہے جبکہ حنبلی اور مالکی فقہاء کے ہاں اگر والد محتاج ہو اور خود کما کر اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہو تو اس صورت میں اولاد پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ ان دونوں نقطہائے نظر سے یہ بات تو بہر حال سامنے آتی ہے کہ محتاج اور نہ کما سکنے کی صورت میں اولاد پر بہر حال والدین کا نفقہ واجب ہے۔ ان دونوں آراء میں سے حنفی اور شافعی آراء اسلامی تعلیمات سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ یہ کتنی نامناسب بات ہے کہ اولاد بہتر مالی حیثیت میں ہو اور والدین سے کہا جائے کہ وہ خود کما کر کھائیں۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں

1۔ مسند احمد، باب مسند علی بن ابی طالب، ج2ص333، حدیث 1094۔

2۔ ابوداؤد، باب فی کراھیۃ الطلاق، ج2ص255، حدیث 2178۔

حصہ ۔ والدین محتاج ہوں تو صاحب حیثیت اولاد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے ماں باپ کا خرچ دیں۔،،(1)۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر (2)۔،، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر،،
علامہ کاسانیؒ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
،،والدین کا شکر یہ یہ ہے کہ ان کی خدمات کا انھیں بدلہ دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ ماں باپ نے جو اچھائی، شفقت و محبت تربیت، کفالت اور نگہداشت کی ہے اس کا کچھ تو بدلہ دے خصوصاً والدین اپنی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہوں تو اس موقع پر ان کا خیال رکھنا اور ان کے اخراجات برداشت کرنا اس احسان کا شکر ہی تو ہے اور یہ حق بھی ہے۔،،(3)۔

قرآن و حدیث میں تو کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، تو مسلمان والدین تو حسن سلوک کے اور زیادہ مستحق ہیں، اور بوقت ضرورت ان پر خرچ کرنا سب سے بڑی نیکی ہے قرآن مجید میں والدین کے سامنے اف تک کہنے کی جو ممانعت آئی ہے اور اذیت دینے و جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے بھی والدین کے نفقہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے کہ اولاد خود عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور بوڑھے والدین فاقے اور عسرت کی زندگی بسر کریں تو اس سے زیادہ ان کے لیے اذیت کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔

حق نفقہ کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اسلام نے جس طرح اولاد پر والد کا نفقہ رکھا ہے ایسے ہی اس کی حدود بھی مقرر کی ہیں۔ والد کے لیے ان حدود سے تجاوز درست نہیں ہے۔ بعض گھرانوں میں والد کسی ایک یا چند بیٹوں سے اپنے نفقہ کے لیے رقم لیکر اس رقم کو اپنے دیگر بالغ بیٹوں پر خرچ کرتے ہیں جبکہ والد کے پاس اپنے ذاتی نفقہ کے لیے بندوبست موجود ہوتا ہے لیکن وہ دیگر بالغ اولاد کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ بیٹے پر اپنے والد کا نفقہ لازم ہے بالغ بھائیوں کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں آج کل والد کی جانب سے اس حق کے بے جا استعمال کی ایک صورت یہ بھی سامنے آرہی ہے کہ باپ اپنے سب

1۔ السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي، م483ھ۔ المبسوط۔ بيروت: دار المعرفة، 1414ھ، 1993ء۔ باب نفقة ذوي الارحام، ج5 ص222۔

2۔ لقمان14۔

3۔ کاسانی، علاء الدین، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي، م587ھ۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔ دار الكتب العلمية، 1406ھ، 1986ء، ج4 ص30۔

بیٹوں سے برابر اپنا نفقہ لیتا ہے، حالانکہ سب کی آمدن برابر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے غریب اور نادار بیٹے متاثر ہوتے ہیں ایسا کرنا اس حق کا بے جا استعمال ہے۔

والد کی جانب سے بعض اوقات انتہائی غریب اولاد سے بھی نفقہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یہ اس حق سے تجاوز ہے۔ حالانکہ انتہائی مفلس آدمی پر والدین کا نفقہ عائد نہیں۔

،،امام محمدؒ فرماتے ہیں والدین کے نفقہ کے وجوب کے لیے کم از کم اس حد تک مالداری ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہو تو اس کے پاس ایک ماہ کا خرچہ ہو، یا اگر اہل حرفت میں سے ہو تو اس کے پاس ایک دن کے خرچہ سے زائد کا خرچ موجود ہو۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ کے لیے صاحب نصاب ہو صرف اسی پر والدین کا نفقہ لازمی ہے۔ سرخسیؒ، ابن ہمامؒ اور بعض دیگر حنفی فقہاء نے امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اس لیے کہ حقوق العباد میں نصاب کے بجائے استطاعت کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔،،(1)۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے گھرانوں میں والد کی طرف سے اپنے نفقہ کی ذمہ داریاں صرف ایک یا چند بیٹوں پر ڈال دی جاتی ہیں، یہ اپنے حق نفقہ کا بے جا استعمال ہے۔ الفتاویٰ الھندیہ کے حوالہ سے ڈاکٹر حبیب الرحمان لکھتے ہیں۔

،،اگر فروع (بیٹے بیٹیاں وغیرہ) زیادہ ہوں اور سب قرابت کے لحاظ سے برابر ہوں، مثلاً دونوں بیٹے یا بیٹیاں ہوں، یا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو ان پر ایک جیسا نفقہ عائد ہے خواہ سب ورثاء ہوں یا کچھ وارث ہوں اور کچھ وارث نہ ہوں، کیونکہ قرابت اور جزء ہونے میں سب برابر ہیں، قطع نظر اس کے کہ بیٹا بیٹی کی نسبت دوگنا حصہ میراث میں لیتا ہے۔ یعنی نفقہ میں اصول قرابت کا ہے، میراث کو بنیاد بنا کر نفقہ کا تعین نہیں کیا جائے گا۔،،(2)۔

1۔ الفتاویٰ الہندیہ، محولہ بالا، ج1 ص564۔

2۔ ڈاکٹر حبیب الرحمان۔ احکام نفقہ۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2014ء، ص36۔

3۔ حق میراث:

میراث کی تقسیم کے اسلامی احکامات میں والد کلیے اہم حصہ دار کی حیثیت حاصل ہے۔ والد کو ورآہے کی اصطلاح میں ذوی الفروض میں شمار کیا گیا ہے اور اس کا حصہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے قرآن مجید میں والدین کے مقررہ حصے کی مختلف صورتیں یوں بیان کی گئی ہیں۔

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ (1)۔

،،اور میت کے ماں باپ میں سے ہر کلیے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔،،

یہاں ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان تین صورتوں کی ذیلی تفصیلات میں باپ کو اپنے حصے کے مطابق ملنے کے ساتھ کچھ اضافی بھی ملتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

،،پہلی صورت کہ مرنے والے کی اولاد بھی ہو تو مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر کلیے کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دو تہائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا مرنے والے کی اگر صرف کلیے بیٹی ہو تو نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے تین حصے بیٹی کے ہونگے او کلیے چھٹا حصہ ماں کو او کلیے چھٹا حصہ باپ کو دینے کے بعد مزید کلیے چھٹا حصہ باقی بچ جائے گا اس لئے بچنے والا یہ چھٹا حصہ بطور سربراہ باپ کے حصہ میں جائے گا۔ یعنی اس صورت میں باپ کو دو چھٹے حصے ملیں گے کلیے باپ کی حیثیت سے اور دوسرے، سربراہ ہونے کی حیثیت سے۔ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں شامل ہیں) اس صورت میں ماں کے لئے تیسرا حصہ اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے میں دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آرہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لئے تیسرا حصہ اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے یعنی کلیے ہی ماں باپ کی اولاد ہوں اور اگر اولاد بیٹا یا بیٹی اگر الگ باپ سے ہوں تو ورآہے کے حقدار نہیں ہونگے۔ لیکن ماں کے حجب

1۔ النساء 11۔

(نقصان کلالہ) بن جائیں گے۔ یعنی بکلیہ سے زیادہ ہونگے تو مال کے (تیسرے حصے) کو چھ حصوں میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (۶/۵) باپ کے حصے میں چلا جائے گا بشرطیکہ کوئی وروارث نہ ہو۔،،(1)۔
قرآن مجید میں والد کے متعین حصے کے علاوہ بھی تقسیم وراثت کے اصولوں کے تحت اسے جو کچھ ملتا ہے یہ اس کی تفصیل ہے۔

حق میراث کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

اسلامی علم میراث میں والد کا حصہ اور اس کی مختلف ذیلی صورتوں کے واضح ہونے کے باوجود بہت سے والد اپنی اولاد کی وراثت میں اپنے مقررہ حصہ کے بجائے اس سے زیادہ پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے اس اقدام کی وجہ سے دیگر ورثاء بالخصوص یتیم پوتے پوتیاں اور بیوہ بہو زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ اور شاید اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ نے ایسے مظلوموں کے حقوق غصب کرنے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

،،اے اللہ میں دو کمزوروں یتیم اور عورت کے حقوق غصب کرنے کو حرام کرتا ہوں۔،،(2)۔
یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی سرکاری ملازم فوت ہو جاتا ہے تو اس کا والد (جو اس کے زیر کفالت نہ ہو) اس کے دیگر ترکہ کی طرح اس کے بینوویلنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس کی رقوم میں بھی خود کو وارث سمجھ کر اپنے حصے کا مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ مروجہ قوانین کے مطابق ان فنڈز کو میت کا ترکہ کہنا درست نہیں ہے، اسی لیے یہ فنڈ متوفی کے قانونی ورثاء کو نہیں بلکہ اس کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے۔ اہل خانہ کی تعریف میں متوفی کی بیوی، اگر ملازم خاتون ہو تو اس کا شوہر، اور متوفی کی اولاد شامل ہے۔ اس کے علاوہ متوفی کے زیر کفالت والدین، بھائی بہنیں، (غیر شادی شدہ، متعلقہ، بیوہ) بھی اہل خانہ میں شمار ہوتے ہیں۔،،(3)۔
چنانچہ وہ والد جو متوفی کے زیر کفالت نہ ہو اس کا اس میں حصہ مانگنا اس حق سے تجاوز ہے۔

1۔ صلاح الدین یوسف، تفسیر مکہ، تفسیر سورۃ النساء، آیت 11۔
2۔ سنن ابن ماجہ، باب حق الیتیم، ج2ص1213، حدیث 3678۔
3۔ امجد، ڈاکٹر عبدالحیی۔ احکام وراثت ۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2014ء، ص13۔

فصل دوم

بہن بھائیوں کے بارے احکامات

مبحث اول: بہن بھائیوں کی فضیلت واہمیت

مبحث دوم: بہن کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: بھائی کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

بہن بھائیوں کی فضیلت واہمیت:

اسلام کے خاندانی نظام میں بہنوں اور بھائیوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ اگرچہ خاندان کا بنیادی رکن نہیں ہوتے، لیکن والدین کے ساتھ قریبی تعلق کی وجہ سے ان سے ایسا لازوال اور مستحکم رشتہ قائم ہوتا ہے کہ جسے استعارے کے طور پر لے کر اللہ تعالیٰ نے ساری امت مسلمہ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ خاندانی نظام میں بہنیں اور بھائی اس لحاظ سے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ یہ باہمی طور پر ایک دوسرے کی عائلی زندگی پر اچھی یا بری طرح اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ اور ان کے حقوق میں کوتاہی مکافات عمل بن کر قطع رحمی کے بھیانک نتائج کی شکل میں اس دنیا میں ہی اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ اسلام کے مطابق عائلی زندگی صرف زوجین تک ہی محدود نہیں، بلکہ اس کا دائرہ کار وسیع ہے۔ جلال الدین عمری کے بقول۔

،،اس کا تعلق میاں بیوی سے بھی ہے، ماں باپ سے بھی ہے، اور اولاد سے بھی، بھائی بہن سے بھی ہے اور دوسرے رشتہ داروں سے بھی۔ سب کے حقوق اور ذمہ داریاں قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں۔،،(1)۔

قرآن وحدیث میں بہن بھائیوں کے حقوق کا ذکر ذوی القربیٰ اور صلہ رحمی کے دلکش عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ اور قطع رحمی کو فسق وفجور، منافقانہ طرز عمل اور زمین پر فساد کے مترادف قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِه۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ (2)۔

،،وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو، اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔،،

اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں۔

،،اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، یہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ مال کی طلب میں، اس کے مال کو ہتھیانے کے لیے بھائی بھائی کو ختم کردیتا ہے یعنی اپنی ذاتی اغراض کے لیے، اپنے تکبر اور تعلّی کی خاطر تمام اخلاقی حدود کو پس پشت ڈال دیتا ہے ہماری شریعت کا فلسفہ یہ ہے کہ ہمیں دو طرح کے تعلقات جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ایک تعلق ہے بندے کا اللہ کے ساتھ۔ اس کا تعلق ''حقوق اللہ'' سے ہے۔ جبکہ ایک تعلق ہے بندوں کا بندوں کے ساتھ۔ یہ ''حقوق العباد'' سے متعلق ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اسے حاکم اور مالک سمجھو اور خود اس کے بندے بنو۔ جبکہ انسانوں کا حق یہ ہے کہ: (کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا) سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ''اس ضمن میں اہم ترین رحمی رشتہ ہے، یعنی سگے بہن بھائی۔ پھر دادا دادی

1۔ عمری، سید جلال الدین۔ ،،اسلام کا عائلی نظام رحمت ہی رحمت،،۔ تحقیقات اسلامی 2:36(2017ء) ص 5۔
2۔ البقرہ 27۔

کی اولاد میں تمام چچازاد وغیرہ(cousions) آجائیں گے۔اس کے اوپر پردادا پردادی کی اولاد کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔ اسی طرح اوپر چلتے جائیں یہاں تک کہ آدم وحوا پر تمام انسان جمع ہو جائیں گے۔ تو رحمی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں فاسقین کی دو صفات بیان کر دی گئیں ہیں یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ انہیں قطع کرتے ہیں۔(1)۔

قرآن مجید میں والدین کے بعد عزیز و اقارب کو حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق بتایا گیا ہے، اور عزیز و اقارب میں سب سے پہلا درجہ بہن بھائیوں کا ہے۔ حسن سلوک انسانی رویوں کا بہترین اظہار ہے، اس سے جذبہ محبت و عقیدت اور احترام ولحاظ پیدا ہوتا ہے۔اور اس کے سب سے زیادہ مستحق والدین کے بعد قرابت دار ہیں۔اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل سے عہد و پیماں لیا تو اس میں منجملہ دیگر احکامات کی پاسداری کے اہل قرابت کے حقوق کو بھی اس میں شامل کرتے ارشاد فرمایا۔

وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی (2)۔

،،اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو گے، اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ۔،،

نبی پاک ﷺ نے صلہ رحمی کو اللہ کی رحمت سے قرب اور قطع رحمی کو اس سے دوری کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

،،رحم (نسبی رشتہ، بہن بھائی کا) رحمٰن سے لیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے تجھے ملایا میں اس سے ملوں گا اور جس نے تجھے نہ ملایا میں اسے نہیں ملوں گا۔،،(3)۔

نبی ﷺ نے صلہ رحمی کی تشریح استعارہ کے ان الفاظ کے ساتھ بھی کی ہے۔

ابوہریرہ(رض) کا بیان ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب پیدا کرنے سے فارغ ہو چکا تو رشتہ داری نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ مانگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھ سے ملے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تجھ سے قطع تعلق کرے، رشتہ داری نے عرض کیا ہاں اے میرے پروردگار خداوند تعالیٰ نے فرمایا بس تجھے حاصل ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ،،(4)۔

لہذا ان کی گھریلو پریشانیاں اور گھریلو جھگڑے اس کے لیے اضمحلال اور پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ نیکی کے برتاؤ، صلہ رحمی اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کی گھریلو زندگی میں مسرت اور اطمینان رہتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی دولت اور عمر دونوں میں برکت رہتی ہے۔اسی بات کی وضاحت نبی ﷺ نے یوں کی ہے۔

1۔ اسرار، ڈاکٹر اسرار احمد۔ تفسیر بیان القرآن۔1428ھ،2008ء، تفسیر آیت - سورہ البقرہ آیت - 27۔

2۔البقرہ83۔

3۔ صحیح بخاری، باب من وصل وصلہ اللہ، ج8ص6، حدیث ۔ 5988۔

4۔ایضاً ج8ص5، حدیث ۔ 5987۔

،،اپنے نسب کو سیکھو (سمجھو) تاکہ تم صلہ رحمی کر سکو۔ صلہ رحمی سے قرابت والوں میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔،،(1)۔

قطع رحمی کا سد باب اور اسلامی قوانین:

اسلام میں صلہ رحمی کو امر لازم اور رحم کے لحاظ سے کار عظیم قرار دیا گیا ہے کہ قطع رحمی ممنوع اور اس پر شدید وعید آئی ہے۔ اسلام میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا گیا جس سے قطع رحمی ہوتی ہو، اور قوانین میں صلہ رحمی کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مثال 1:

اسلام میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرد کی بیویاں ہونے کی وجہ سے سوکناپے کی جلن اپنا کام دکھاتی ہے اور اس سے صلہ رحمی کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ لہذا صلہ رحمی کی حفاظت کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ بیک وقت دو بہنوں سے شادی نہیں کی جا سکتی، ہاں اگر ایک فوت ہو جائے یا اس سے طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدگی ہو جائے تو پھر درست ہے۔

مثال 2:

ذی رحم محرم رشتہ داروں جن میں بہن بھائی سر فہرست ہیں کو کوئی چیز ہبہ کر کے واپس نہیں لی جا سکتی۔ اس لیے کہ ہبہ شدہ چیز واپس لینے سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور نفرت صلہ رحمی کو کھا جانے والی چیز ہے۔ لہذا یہ قانون بنا دیا گیا کہ کوئی بھی محرم رشتہ دار کو چیز ہبہ کر کے واپس نہیں لے سکتا۔،، امام ترمذی نے اس پر پوری وضاحت پیش کی ہے۔،،(2)۔

مثال 3:

کسی مرنے والے مرد یا عورت کی میراث میں اللہ تعالیٰ نے حصہ داروں کے حصے خود مقرر کیے ہیں۔ اس معاملے کو کسی شخص کی صوابدید پر نہیں رکھا اس کا محرک بھی صلہ رحمی کی حفاظت ہے، اس لیے کہ اگر تقسیم وراثت کسی انسان کی صوابدید پر ہوتی تو لڑائی جھگڑوں سے صلہ رحمی متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ آج بھی جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق میراث تقسیم نہیں کی جاتی وہاں دلوں میں کدورتیں پیدا ہو کر قطع رحمی کا سبب بنتی ہیں۔

مثال 4:

اگر کوئی آدمی اپنے کسی ذی رحم مثلاً باپ، بھائی، بہن وغیرہ کا مالک بن جائے تو اس کی ملکیت میں آتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ مروت اور صلہ رحمی کے خلاف ہے کہ اس قدر قریبی تعلق میں ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام نبی ﷺ نے فرمایا۔

1۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی تعلیم النسب، ج4 ص351، طبع 1979۔

2۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی الرجوع فی الهبة، ج3، ص585۔

،،جو کوئی اپنے کسی ذی رحم کا مالک بن گیا تو وہ (مملوک) آزاد ہے۔،،(1)۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں صلہ رحمی اور حقوق قرابت کی اہمیت تمام مذاہب سے زیادہ ہے قرآن مجید کی کم از کم بارہ آیات میں اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ اس بارے میں اسلام کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اسلام نے ان حقوق کی ادائیگی کو محض احسان اور تبرع نہیں بتلایا بلکہ انھیں فرض کرتے ہوئے ان کی ادائیگی لازمی کی گئی ہے۔ اور ان احکامات کے نظر انداز کرنے پر دنیا اور آخرت دونوں میں سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر نبی پاک ﷺ نے قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

،،صلہ رحمی کا کمال یہ نہیں ہے کہ جو بدلے میں صلہ رحمی کا جواب صلہ رحمی سے دے، بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے۔،،(2)۔

بہن بھائیوں کے حقوق والدین کے حقوق کا حصہ ہیں:

بہن بھائیوں کے ساتھ تعلق چونکہ والدین کے توسط سے ہوتا ہے اس لیے ان کے حقوق کی ادائیگی دراصل والدین کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اور والدین کے اس حق کی ادائیگی ان کی زندگی میں بھی ضروری ہے اور ان کی وفات کے بعد بھی لازمی ہے۔

،،بنو سلمہ کے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر ایسے حق بھی ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے لیے خیر اور رحمت کی دعا کرتے رہنا، ان کے لیے اللہ سے بخشش اور مغفرت مانگنا، اگر ان کا کسی سے عہد و پیماں ہو تو اسے پورا کرنا، ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔،،(3)۔

ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

،،جو شخص یہ چاہے کہ قبر میں اپنے والد کو آرام پہنچائے اور صلہ رحمی کرے تو والد کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ وہ اچھا برتاؤ رکھے جو رکھنا چاہیے۔،،(4)۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہن بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی دراصل والدین کے حقوق کی ادائیگی کا ہی حصہ ہے۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب من ملک ذا رحم محرم فھو حر، ج4 ص26، حدیث 3949۔

2۔ صحیح بخاری، باب لیس الواصل بالمکافی، ج8 ص6، حدیث 5991۔

3۔ سنن ابوداؤد، باب فی بر الوالدین، ج4 ص336، حدیث 5142۔

4۔ صحیح ابن حبان، باب ذکر البیان بأن من بر المرء بأبیه في قبره صلته إخوان أبيه من بعده، ج2 ص175۔

بہن کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بہن کو اسلامی تعلیمات میں مقدس رشتے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بہن بھائی کی عزت اور اس کا مان ہے۔ اسلام سے پہلے آسمان دنیا نے یہ دردناک منظر بھی دیکھے کہ عورت کو بُری طرح ذلیل و رسوا کیا جاتا، اسے مارا پیٹا جاتا اور اس کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ جمالینے کو جرأت مندی و بہادری سمجھا جاتا۔ ماں اور بیٹی کی طرح ''بہن'' کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ ماں باپ کی وراثت سے تو اسے یوں بے دخل کر دیتے جیسے دودھ سے مکھی کو نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اسلام نے ماں اور بیٹی کی طرح ''بہن'' کو بھی وراثت کا حق دیا کہ ''اگر کوئی شخص فوت ہو اور اس کے ورثاء میں باپ اور اولاد نہ ہو تو سگی اور باپ شریک بہن کو وراثت سے مال کا آدھا حصہ ملے گا جبکہ صرف ایک ہو اور اگر دو یا دو سے زیادہ (بہنیں) ہوں تو دو تہائی حصہ ملے گا۔ اسلامی تعلیمات میں بہنوں کو بہت سے حقوق دیے گئے ہیں یہاں صرف ان حقوق کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کی ادائیگی میں عموماً طرفین کی جانب سے کوتاہی برتی جاتی ہے۔

1۔ حق حسن سلوک:

شریعت اسلامی میں بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں نبی ﷺ کی متعدد احادیث موجود ہیں، نیز آپ ﷺ کی سیرت سے بھی اس بارے میں مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

،، جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں اور اس نے ان کے ساتھ حُسن سلوک کیا اور ان کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرتا رہا تو جنت ملے گی۔،، (1)۔

بہن چاہے حقیقی ہو یا ماں شریک، باپ شریک ہو یا رضاعی وہ قابل احترام اور حسن سلوک کی مستحق ہے۔ نبی پاک ﷺ کی اپنی کوئی حقیقی بہن نہیں تھی لیکن آپ ﷺ نے اپنی رضاعی بہن کے ساتھ حسن سلوک کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔

،، بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ ہوازن کی فتح کے بعد ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ میرا نام شیما بنت حارث ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا اگر تم سچی ہو تو تمہارے بدن پر لازوال نشان ہے۔ تو اس نے اپنے بازو سے کپڑا ہٹا کر دکھایا اور کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بچپن میں مجھے منہ سے کاٹا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور فرمایا جو مانگو گی ملے گا، جو سفارش کرو گی وہ قبول ہو گی۔،، (2)۔

1۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی النفقة علی البنات والاخوات، ج4ص318، حدیث 1912۔

2۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، م458ھ۔ دلائل النبوة۔ دار الکتب العلمیة، دار الریان للتراث، طبع اول 1408ھ۔ 1988ء، جماع ابواب فتح مکہ حرسہا اللہ تعالیٰ، ج5ص199۔

اس مثالی کرم نوازی کے دوران آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، یہ بھی ارشاد فرمایا: اگر چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ ہمارے پاس رہو، واپس جانے لگیں تو نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ عَلَیہِ وَآلہٖ وَسَلَّمَ نے تین غلام اور ایک لونڈی نیز ایک یا دو اونٹ بھی عطا فرمائے۔ جعرانہ میں دوبارہ انہی رضاعی بہن سے ملاقات ہوئی تو بھیڑ بکریاں بھی عطا فرمائیں۔

قرآن مجید میں اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے عموم میں بہنیں بھی شامل ہیں۔ بلکہ والدین کے رشتے اور صنف نازک ہونے کی وجہ سے یہ اور زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہیں۔ بہن اگر بڑی ہو تو اس کا احترام اور چھوٹی ہو تو اس پر شفقت لازمی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،جو ہمارے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔،،(1)۔

آپ ﷺ نے بڑے بھائی کو باپ کے بمنزلہ قرار دے کر فرمایا۔

،،جو بہن بھائیوں میں بڑا ہو وہ باپ کے بمنزلہ ہے۔،،(2)۔

اس سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ بڑی بہن ماں کے بمنزلہ ہو گی، اور اس کا احترام اور ذمہ داریاں ماں والی ہوں گی۔

حق حسن سلوک کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

ہمارے معاشرے کے بعض گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ بہنیں حسن معاشرت کے حق کا ناجائز فائدہ اٹھا کر منہ زور اور خود سر ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ خفیہ دوستی کا راستہ اختیار کر کے معاملے کو کورٹ میرج تک جا پہنچاتی ہیں۔ یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ حسن معاشرت کے تقاضوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شریعت کے احکامات کی خلاف ورزی ممنوع ہے۔ بہت سے گھرانوں میں بہنیں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی اپنے بھائیوں کی حسن معاشرت کا بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی خانگی زندگی میں مداخلت شروع کر دیتی ہیں۔ اس کی وجہ سے بھابیوں کے ساتھ ان کے تعلقات بگڑنے کے علاوہ بھائیوں کی ازدواجی زندگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ اس حق سے تجاوز کی ایک صورت یہ سامنے آتی ہے کہ بہنیں اس بات کو ناپسند کرتی ہیں کہ ان کے خاوندوں سے ان کے بھائیوں کی بیویاں (یعنی ان کی بھابیاں) پردہ کریں، اگر کہیں اس شرعی حکم پر عمل ہو تو اسے حسن سلوک کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ پردے کے احکامات منصوص ہیں۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب الرحمۃ، ج4ص286، حدیث 4943۔

2۔ شعب الایمان، ج10ص314، حدیث 7554۔

2۔ حق کفالت:

اگر والدین کی وفات ہو جائے یا وہ نادار ہوں تو بہن کی کفالت اس کی شادی تک اسلام نے صاحب حیثیت بھائیوں اور بہنوں کے ذمہ رکھی ہے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے بہت سے ترغیبی ارشادات موجود ہیں۔ بہنوں کے حق کفالت کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ جو ورثاء جس درجے میں میت کی وراثت سے حصہ پاتے ہیں اسی درجہ میں میت کے قرض اور ذمہ داریاں بھی ان کے ذمہ آجاتی ہیں چنانچہ اپنے باپ کے وارث ہونے کے ناطے اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بہنوں کی شادی تک ان کی کفالت کرے۔ نبی ﷺ نے بہنوں پر خرچ کو دوزخ سے رکاوٹ بتاتے ارشاد فرمایا:

،، جس نے اپنی دو یا تین بیٹیوں یا دو یا تین بہنوں کی کفالت کی، یہاں تک کہ وہ اپنی شادی یا موت کی وجہ سے اس سے جدا ہو گئیں تو وہ اور میں یوں جنت میں اکٹھے ہوں گے (آپ ﷺ نے شہادت اور درمیان والی انگلی کو ملا کر دکھایا)۔،،(1)۔

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے محض اپنی نو یا سات بہنوں کی دیکھ بھال، اُن کی کنگھی چوٹی اور اچھی تربیت کی خاطر بیوہ عورت سے نکاح کیا تو کنواری لڑکی سے نکاح کی فضیلت کے باوجود نبی پاک ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کر کے ان کے اس اچھے اقدام کی حوصلہ افزائی کی۔

،، حضرت جابر بن عبداللہ (رض) سے روایت ہے کہ عبداللہ انتقال کر گئے اور نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا اے جابر! تو نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کنواری یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیوہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تو نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی کہ تم اسے کھیلاتے اور وہ تمہیں کھیلاتی یا فرمایا تم اسے ہنساتے اور وہ تمہیں ہنساتی میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ میرے والد عبداللہ فوت ہو گئے اور انہوں نے نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں ہیں اور میں نے نا پسند کیا کہ میں ان جیسی ایک اور عورت لے آؤں اور میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ایک ایسی عورت لاؤں جو ان کی خبر گیری کرے اور اصلاح بھی کرے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تیرے لئے برکت دے یا مجھے فرمایا تیرے لئے بھلائی ہو۔،،(2)۔

نادار اور غیر شادی شدہ بہن کی کفالت کرنا اس کی مالدار اور بڑی بہن کی بھی ذمہ داری ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے چھوٹے

1۔ مسند احمد، باب مسند انس بن مالک، ج19 ص480، حدیث 12498۔

2۔ صحیح مسلم، باب استحباب نکاح البکر، ج2 ص1087۔

بچے کی اگر والدہ فوت ہو جائے تو اس کی پرورش کا حق اس کی نانی ور وہ نہ ہو تو خالہ کو دیا گیا ہے جو اس کی والدہ کی بہن ہے، تو اگر اپنی کوئی بڑی بہن موجود ہو تو وہ بطریق اولی اپنی چھوٹی بہن کی پرورش کی ذمہ دار اور حقدار ہو گی۔ نبیؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہ کی صاحبزادی کی پرورش کا حق حضرت جعفر کو یہ کہنے پر تفویض کیا کہ میری بیوی اس بچی کی خالہ ہے۔ آپ ﷺ نے بچی ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔ ،،خالہ ماں کے ہی مرتبہ پر ہوتی ہے۔،،(1)۔

حق کفالت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں بہنوں کی طرف سے اپنے اس حق سے تجاوز اور اس کے بے جا استعمال کی بہت سی صورتیں سامنے آرہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سی بہنیں بھائیوں کے زیر کفالت ہوتی ہیں۔ وہ بالغ ہو جاتی ہیں تو نفقے کے معاملہ میں بھائیوں سے ایسے مطالبات شروع کر دیتی ہیں جن کا پورا کرنا یا تو بھائیوں کے لیے ممکن نہیں ہوتا یا ان کے پورا کرنے کی صورت میں ان کے اپنے بیوی بچوں کے نفقہ کا بنیادی حق متاثر ہوتا ہے، یہ حق کفالت کا بے جا استعمال ہے قرآن مجید میں بیویوں کے نفقہ کے بارے میں خاوندوں کی مالی حیثیت کو مد نظر رکھا گیا ہے تو بہنوں کے نفقہ پر بھی یہی اصول کارفرما ہو گا۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ(2)۔

،،مالدار کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور تنگ دست کو جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے۔،،

اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اہل حقوق میں سے کسی کو بھی اپنے حق کا ایسا استعمال جائز نہیں ہے جس سے کسی دوسرے صاحب حق کا حق متاثر ہو۔ اس لیے بہن کی طرف سے نفقہ میں ایسے مطالبات جو بھابھی اور بھائی کی اولاد کے حق نفقہ کو متاثر کرتے ہوں درست نہیں ہوں گے، اور اپنے حق کے بے جا استعمال کے زمرے میں آئیں گے۔ کیونکہ ان کے نفقہ کے بارے ارشاد باری تعالی واضح ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ (3)۔

1۔ صحیح بخاری، باب کیف یکتب ھذا، ج3 ص184، حدیث 2699۔

2۔ الطلاق 7۔

3۔ الاحزاب 50۔

،، ہمیں وہ احکام خوب معلوم ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں کے بارے میں ان پر عائد کیئے ہیں۔،،

کچھ جگہوں پر یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بہنیں شادی کی عمر کو پہنچنے پر معقول رشتہ مل جانے کے باوجود شادی سے انکار کر کے لمبے عرصہ تک بھائی پر بوجھ بنی رہتی ہیں یہ بھی حق نفقہ کا بے جا استعمال ہے۔

3۔ حق میراث:

اسلام کے نظام میراث میں بہن کو بعض صورتوں میں اپنے بھائی کا وارث ٹھہرایا گیا ہے۔ بہن کا شمار ذوی الفروض نسبیہ میں ہوتا ہے۔ ذوی الفروض دوسرے تمام ورثاء پر مقدم ہوتے ہیں۔ اس لیے کیونکہ ان کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، اور دوسرے خود رسول اللہ ﷺ نے تصریح فرمائی ہے۔ اسلام میں سگی بہن اور باپ شریک بہن اور کلالہ کی صورت میں ماں شریک بہن کو میراث کا حق دار رکھا ہے۔ اس کے مختلف احوال کی چند صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

،، سگی بہن اکیلی ہی ہو اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو بہن کل ترکہ کے آدھے کی وارث ہوتی ہے۔ مذکورہ صورت میں اگر سگی بہنیں دو یا اس سے زیادہ ہوں تو وہ کل ترکہ میں دو تہائی کی وارث ہوں گی۔ اگر میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ، دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اس وقت یہ عصبہ مع الغیر ہو کر بیٹی یا پوتی سے باقی کی حصہ دار ہو گی۔ اگر میت کا سگا بھائی موجود ہو اور باپ، دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بھی یہ بیٹی یا پوتی سے باقی کی مالک ہو گی اور اس کی حیثیت عصبہ مع الغیر کی ہو گی۔ باپ شریک بہن اکیلی ہی ہو اور میت کے سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو یہ آدھے ترکہ کی وارث ہو گی۔ مذکورہ صورت میں اگر باپ شریک بہنیں دو یا اس سے زیادہ ہوں تو وہ کل تہائی حصہ کی وارث ہوں گی۔ اگر میت کی صرف ایک ہی سگی بہن ہو اور اس کا سگا یا علاتی بھائی، باپ دادا یا اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو یہ چھٹے حصے کی مالک ہو گی۔ اگر میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو یہ عصبہ مع الغیر ہو کر بیٹی یا پوتی سے باقی ماندہ حصہ کی وارث ہو گی۔ اگر میت کا علاتی بھائی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو البتہ اس کی بیٹی یا پوتی موجود ہو تو عصبہ مع الغیر کی حیثیت سے علاتی بھائی کے نصف کی مالک ٹھہرے گی۔،، (1)۔

اسلام نے بہن کو بھائی کی وراثت میں سے حصہ دینے کی محض ترغیب نہیں دی بلکہ اسے ایک اہم حکم قرار دے کر اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اور اس حکم پر عمل نہ کرنے والے کو قانون اسلامی کی رو سے مجرم متصور کیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہن

1۔ ابن رشد، احکام وراثت، ص 40:41۔

کے حق وراثت کے سلسلے میں بھائیوں سے دو طرح کی سنگین زیادتیاں رونما ہو رہی ہیں ایک تو یہ کہ بہنوں کو باپ کی وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا در حقیقت عموماً بیٹی کی وراثت کے جو مسائل در پیش ہیں ان کے بھائی ہیں۔ اور دوسری سنگین غلطی یہ کہ بہنوں کو بھائی کے مرنے کے بعد اس کی وراثت میں (اگر وہ حق دار ہو) بھی حصہ نہیں دیا جاتا۔ یہ دو انتہائی غاصبانہ عمل ہیں جو بہنوں کے حوالہ سے بھائیوں کی طرف سے روا رکھے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی بہن اپنے حصے کا مطالبہ کرے تو اسے طعنے دیے جاتے ہیں اور میکے کی طرف سے سماجی تعلقات کے ختم کرنے کی دھمکیاں دے کر اپنا حق چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جو لوگ شریعت کے اصولوں کے مطابق ترکہ تقسیم نہیں کرتے ان کے لیے حدود اللہ کو توڑنے کی وجہ سے سخت وعید ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (1)۔

،،اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔،،

نبی کریم ﷺ نے بھی کسی بھی طرح غاصبانہ طریقے سے کسی کا حق دبا لینے والے کی سنگین سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

،،جس نے کسی دوسرے کی زمین ناحق غصب کر لی تو اسے قیامت کے دن ساتویں زمین تک زمین میں دھنسایا جائے گا۔،،(2)۔

یہ ہمارے معاشرے کا بڑا المیہ ہے کہ نماز روزے میں کوتاہی کرنے والے کو بے دین متصور کیا جاتا ہے لیکن بہنوں کی وراثت غصب کرنے والے کو کوئی بے دین نہیں کہتا، حالانکہ وراثت کی تقسیم مسلمانوں پر عبادات کی طرح فرض ہے۔

حق میراث کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

ہمارے ہاں موجودہ دور میں بعض اوقات کوئی ایک بہن اپنی وراثت خوش دلی یا جبر کے رویوں کے باعث بھائیوں کو معاف کر دیتی ہے، اس کے ایسا کرنے سے اس کی دوسری بہن یا بہنوں کے لیے اپنا حق وراثت لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بھائی اس کی مثال دیکر باقی بہنوں کو بھی وراثت سے دستبرداری پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ اپنے

1۔ النساء 14۔

2۔ صحیح بخاری، باب اثم من ظلم شیئاً من الارض، ج3 ص130، حدیث 2454۔

حق کو اس طور استعمال کرنا کہ اس سے دوسروں کا حق متاثر ہو یہ حق کا بے جا استعمال ہے، نیز، اپنے حق کے عدم استعمال سے اگر دوسروں کو نقصان پہنچے تو یہ بھی اس حق کا بے جا استعمال ہے(1)۔

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اوقات بہنیں اپنے طے شدہ حصہ سے زیادہ وراثت کی دعوے دار بن جاتی ہیں، اس اقدام کی وجہ سے باقی ورثاء کے حصص متاثر ہو رہے ہوتے ہیں یہ اس حق سے تجاوز اور تعدی کے زمرے میں آتا ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی بہن بغیر دباؤ کے دلی طور پر بھائی کو اپنا حق وصول کرنے کے بعد اسے ہی ہبہ کر دیتی ہے لیکن کچھ مدت بعد پھر اس حق کا مطالبہ شروع کر دیتی ہے یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ ،،ذی رحم کو کوئی چیز ھبہ کر کے واپس لینا ممنوع ہے۔،،(2)۔

بعض گھرانوں میں بہنیں تقسیم وراثت سے قبل ہی زبانی طور پر اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہیں، یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ وراثت میں اپنے حصے سے دستبرداری سے قبل اس پر قبضہ ضروری ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے۔
،،الارث جبری لا یسقط بالاسقاط،، (3)۔

1۔ ڈاکٹر محی الدین، حقوق کا بے جا استعمال، ص33۔
2۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرجوع فی الھبہ، ج3 ص585۔
3۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الدعویٰ، ج2 ص26۔

بھائی کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بھائی کے رشتے کے تقدس اور اس کی مضبوطی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں اس رشتے کو استعارے کے طور پر لے کر ساری امت مسلمہ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ بھائی ایک دوسرے کے دست وبازو اور بہنوں کا سہارا ہوتے ہیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بھائی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اسی ضمن میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قابیل نے ظلم وزیادتی کر کے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا ہابیل کا یہ صبر اس کی قربانی کی مقبولیت کا سبب بنا اور قابیل کو قتل کا یہ جرم اس قدر مہنگا پڑا کہ وہ بھائی کے حقوق میں زیادتی کے باعث سامان عبرت بن گیا قرآن کریم میں بھائی کے رشتے کو ایک ہمدرد اور غمخوار رشتے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ قیامت کی ہولناکیوں میں جب انسان کے دوسرے ہمدرد اور غمخوار اہل تعلق سے راہ فرار اختیار کرنے کا تذکرہ کیا گیا تو سب سے پہلے بھائی کا ذکر فرمایا گیا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (1)،، جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔،،

اسلام میں بھائی کو متعدد حقوق حاصل ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

1۔ حق حسن سلوک:

اسلام میں صلہ رحمی کی جو تاکید کی گئی ہے اس میں والدین کے بعد عزیز واقارب شامل ہیں۔ عزیز واقارب میں سب سے قریبی رشتہ بھائیوں اور بہنوں کا ہے۔ بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہمارے دین کی معاشرتی تعلیمات کا اہم جزو ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا کوئی بھائی نہیں تھا تو آپ نے اپنے چچازاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا اور ان کی کفالت کے ساتھ ان کی تربیت کا بھی حق ادا کیا۔ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نکاح کی عمر کو پہنچی تو ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے حسن سلوک کی انتہاء کر دی۔ بھائی کے ساتھ حسن سلوک کا تقاضہ ہے کہ اگر وہ چھوٹا ہو تو اس کے ساتھ مشفقانہ رویہ رکھا جائے اور اگر بڑا ہو تو اس کا احترام کیا جائے۔ اس حسن سلوک کو اسلامی معاشرت کی بنیاد کے طور پر بیان کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا۔

،، جو ہمارے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔،، (2)۔

بہن بھائی پر ایک دوسرے کے حوالہ سے ڈالی گئی ذمہ داریوں کو ایک دوسرے پیرائے میں تذکرہ کرتے نبی ﷺ نے فرمایا۔

،، جو بہن بھائیوں میں بڑا ہو وہ باپ کے بمنزلہ ہے۔،، (3)۔

1۔ عبس 34۔

2۔ سنن ابوداؤد، باب الرحمہ، ج4 ص286، حدیث 4943۔

3۔ شعب الایمان، ج10 ص314، حدیث 7554۔

رنجشوں اور غلطیوں کو معاف کر دینا حسن سلوک کا بنیادی حصہ ہے۔ اپنے بھائیوں سے رنجشوں کے تذکرے اولاد کے سامنے نہیں کرنے چاہیں۔ اپنی ذاتی رنجشیں بچوں میں منتقل کرنے سے ان کے دل میں نفرت کا ایسا بیج بو دینا ہے جس کے بلعث جھگڑے اور نفرتیں اگلی نسلوں تک جاری رہتے ہیں۔ حضرت یوسف ؑ کے ساتھ ان کے بھائیوں کے مظالم اور زیادتیاں ضرب المثل بن چکی ہیں، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے بھائیوں سے حسن سلوک کیا اور انھیں جتلایا نہیں۔ اس لیے حسن سلوک کا تقاضہ ہے کہ بھائیوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھا جائے اور معمولی معمولی باتوں کو بنیاد بنا کر تعلقات ختم نہ کیے جائیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،(رشتہ) توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا حضرت سفیان نے کہا یعنی تعلق رشتہ کو توڑنے والا۔،،(1)۔

بھائی کے ساتھ حسن سلوک رزق میں کشادگی اور موت کے بعد نیک نامی کا سبب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

،،حضرت انس بن مالک (رض) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا آپ فرماتے تھے ،،جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ اس پر اس کا رزق کشادہ کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کو یاد رکھا جائے تو چاہیے کہ وہ اپنی رشتہ داری کو جوڑے۔،،(2)۔

اسلام نے بھائیوں سے دل کو صاف رکھنے اور بغض و ناراضگی نہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس ناراضگی کو طول دینے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

،،بغض نہ رکھو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ کسی کی غیبت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ ترک تعلق کرے۔،،(3)۔

حق حسن سلوک کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

حسن سلوک تمام بہن بھائیوں کا باہمی حق ہے، اس لیے سب کو اس کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہیں ہمارے ہاں بعض جگہوں پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے بہن بھائی اپنے دوسرے بہن بھائیوں سے تو حسن سلوک کے منتظر اور شوقین نظر آتے ہیں مگر حسن سلوک کے حوالہ سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے۔ یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ اس کا یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ ایسے رویوں سے تنگ آکر محسن بھائی بہن بھی اس حق میں کوتاہی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ بہن بھائی اس حق کی آڑ میں ایک دوسرے کے نجی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دیتے ہیں جس کے بلعث ان کے

1۔ صحیح مسلم، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا، ج4 ص1981، حدیث 2556۔

2۔ایضا، ص1982، حدیث 2557۔

3۔ صحیح بخاری، باب الھجرہ، ج8 ص21، حدیث 6076۔

باہمی تعلقات بگڑنے لگتے ہیں۔ یہ صورت اس حق سے تجاوز کی ہے اس لیے کہ یہ تعدی ممنوعہ ہے۔ اس حق کے بے جا استعمال کی ایک صورت یہ بھی عام ہو چکی ہے کہ اپنے بھائیوں کی بیویوں سے پردہ کو حسن سلوک کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ دیور سے پردہ کے واضح احکامات موجود ہیں۔ لہذا شریعت کے بتلائے ہوئے اصولوں کے علی الرغم حسن سلوک کا متقاضی ہونا اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ اسی طرح بعض بہنیں اس بات کو ناپسند اور حسن سلوک کے منافی متصور کرتی ہیں کہ ان کے خاوندوں سے ان کے بھائیوں کی بیویاں (یعنی ان کی بھابیاں) پردہ کریں، اگر کہیں اس شرعی حکم پر عمل ہو تو اسے حسن سلوک کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ پردے کے احکامات منصوص ہیں۔

2۔ حق کفالت :

اگر والد کی وفات ہو جائے اور بڑا بھائی صاحب حیثیت ہو تو اپنے چھوٹے نادار یتیم بھائی کی کفالت اس کے بالغ ہو جانے تک بڑے بھائی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ایک تو حق قرابت کی وجہ سے ہے اور دوسرا یہ کہ میت کے تمام ورثاء جس طرح وراثت میں اپنے متعینہ حصوں کے حقدار ہیں اسی کی بقدر ان کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ میت کے قرض اور اس کی دیگر ذمہ داریوں کو بھی قبول کریں۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

،،ہر محرم قرابت دار (نسبی) کے حق نفقہ کے لیے اس کے قرابت دار شخص کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مال دار عورت کو بھی مرد کی طرح اپنے قرابت دار کے حق نفقہ کی ادائیگی کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ استحقاق صلہ رحمی کی بنیاد پر ہے جس میں مرد و عورتیں برابر ہیں۔،،(1)۔

مذکورہ عبارت نادار غیر بالغ بھائی کے حق نفقہ پر فقہ حنفی کے موقف کی وضاحت ہے، اس لیے کہ رد المختار میں ذی رحم محرم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

،،ذی رحم محرم سے مراد وہ قرابت دار ہیں جن میں اس قرابت داری کی وجہ سے باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ مثلا چچا اور پھوپھی مزید یہ کہ محرم قرابت کی وجہ سے ہو، اگر قرابت کی وجہ سے نہیں مثلا رضاعت سے محرم ہے تو اس صورت میں اس کا نفقہ علیہ نہیں۔،،(2)۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا کوئی حقیقی بہن بھائی نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے مخدوش مالی حالات کی وجہ سے ان کے بیٹے حضرت علی کی کفالت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے چچا کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ اسوہ حسنہ اس بات کی دلیل ہے کہ

1۔ مبسوط، ج5ص223:224۔

2۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقي الحنفي، م1252ھ، رد المحتار علی الدر المختار۔ بیروت: دار الفکر، طبع ثانی 1412ھ ۔1992ء، ج3ص627۔

نادار غیر بالغ حقیقی بھائی تواور زیادہ کفالت کا مستحق ہے قرآن مجید کی متعدد آیات میں والدین کے علاوہ دیگر قرابت داروں پر مال خرچ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے عموم میں بہن بھائی بھی شامل ہیں۔ بلکہ یہ سب سے زیادہ مستحق ہیں اس لیے کہ بیوی بچوں اور والدین کے بعد یہ سب سے زیادہ قریبی ہیں۔

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (1)۔

،،یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو بھی تم خرچ کرو مال واسباب میں سے تو والدین رشتہ داروں،،

حق کفالت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

شریعت نے غیر بالغ بھائی کی کفالت بالغ ہونے تک صاحب حیثیت بھائی پر رکھی ہے۔ بعض اوقات زیر کفالت بھائی بالغ ہونے کے بعد لاپرواہی کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے کفیل بھائی پر بوجھ بنے رہتے ہیں ایسا کرنا حق کفالت کا بے جا استعمال ہے، اس لیے کہ اسلام نے تو بلوغت کے بعد بیٹے کے نفقہ کی ذمہ داری والد کے سر بھی نہیں رکھی تو بنا کسی شرعی عذر کے بڑے بھائی پر یہ ذمہ داری کیسے ڈالی جاسکتی ہے۔ اس لیے ایسا عمل اس حق کا بے جا استعمال ہے۔ بڑے بھائی کی زیر کفالت کچھ بھائی بالغ ہونے پر ایسی منفی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں جن کے باعث ان پر مقدمات بن جاتے ہیں۔ اس وجہ سے کفیل بھائی کو تھانے اور عدالتوں میں کثیر اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں یہ حق کفالت سے تجاوز اور تعدی کے زمرے میں آتا ہے۔ زیر کفالت بھائی بعض اوقات اپنے کفیل بھائی کی مالی حیثیت سے زیادہ فرمائشیں اور مطالبات شروع کر دیتے ہیں، جس کو پورا کرنے سے کفیل کے اپنے بچوں اور بیوی کے لازمی اخراجات متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ ہر آدمی پر اولا اس کے بیوی بچوں کی ذمہ داری ہے اور باقی ذمہ داریاں ثانیا ہیں۔ بیویوں کے نفقہ کے بارے ارشاد باری تعالی بالکل واضح ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ (2)۔

،،ہمیں وہ احکام خوب معلوم ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں کے بارے میں ان پر عائد کیئے ہیں۔،،

اور یہ کہ اللہ تعالی نے بیوی کے حق نفقہ کے بارے میں خاوند کی مالی حیثیت کا لحاظ کیا ہے تو زیر کفالت بھائی کے لیے بھی اسی اصول کو مد نظر رکھا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ (3)۔

1۔البقرہ215۔

2۔الاحزاب50۔

3۔الطلاق7۔

3۔ حق میراث:

متوفی کے والدین اگر زندہ ہوں تو متوفی کے بہن بھائیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ اگر کسی کے والدین فوت ہو چکے ہوں تو بعض صورتوں میں بھائی کو اپنے بھائی کی میراث میں حصہ ملتا ہے۔ اس کی چند صورتیں یہ ہیں۔

اگر کسی مرد یا عورت کے نہ بچے ہوں اور نہ والدین (یعنی کلالہ ہو) اور ایک ہی بھائی (سگا یا باپ کی طرف سے) ہو تو بھائی کو پورے کا پورا ورثہ ملے گا۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ (1)۔

،،وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے، جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے چھوڑا اور وہ (خود) اس (بہن) کا وارث ہو گا، اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔،،

اگر کسی مرد یا عورت کے نہ بچے ہوں اور نہ والدین (یعنی کلالہ ہو) اور ایک بھائی یا ایک بہن (جنکی ماں ایک اور باپ مختلف ہوں) دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا (یعنی مرد کو عورت کا دگنا نہیں ملے گا) اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی ورثہ میں سے برابر برابر تقسیم ہو گا۔ اگر صرف دو بھائی (بہن کوئی نہیں) یا دو بہنیں (بھائی کوئی نہیں) ہوں تو بھی دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ (2)۔

،،اور اگر کوئی مرد، جس کا ورثہ لیا جا رہا ہے، ایسا ہے جس کا نہ ماں باپ ہو نہ اولاد، یا ایسی عورت ہے اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں حصے دار ہیں۔،،

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی بیوی اور صرف بیٹیاں ہی ہوں تو اس کی وراثت میں سے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کو دو تہائی بچیوں کو اور باقی مرحوم کے بھائی کو ملے گا۔ اور اگر مرحوم کی بیوہ اور صرف ایک بیٹی ہو تو پھر آٹھواں حصہ بیوہ کا اور باقی نصف بیٹی کا اور نصف بھائی کا ہو گا۔

،،حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی سعد کی دو بیٹیوں کو لے کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد غزوہ

1۔ النساء 176۔

2۔ النساء 12۔

احد کے موقع پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے اور شہید ہو گئے۔ ان کے چچا نے ان کا سارا مال لے لیا اور ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ بیٹیوں کے ان کے پاس مال نہ ہوگا ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان لڑکیوں کے چچا کو کو بلا بھیجا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو۔ جو بچ جائے وہ تمہارے لئے ہے۔ ،،(1)۔

حق میراث کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

عصر حاضر میں بھائیوں کی طرف سے اپنے حق وراثت کے بے جا استعمال کی یہ شکل بعض اوقات دیکھنے کو ملتی ہے کہ بھائی اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ اور اس کی بچیوں کو ملنے والی بینوولینٹ فنڈز اور گروپ انشورنس کی رقوم سے اپنے حق وراثت کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں حالانکہ وہ مرحوم کی زیر کفالت نہیں ہوتے۔ یہ فنڈز میت کا ترکہ شمار نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر عبد الحیی ابڑو ان فنڈز کی موجودہ حیثیت پر تفصیل بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

،،اس فنڈ کو کسی ملازم کا ترکہ کہنا درست نہیں ہے، اسی لیے یہ فنڈ متوفی کے قانونی ورثاء کو نہیں بلکہ اس کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے۔ اہل خانہ کی تعریف میں متوفی کی بیوی، اگر ملازم خاتون ہو تو اس کا شوہر اور متوفی کی اولاد شامل ہے۔ اس کے علاوہ متوفی کے زیر کفالت والدین، بھائی بہنیں (غیر شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ) بھی اہل خانہ میں شمار ہوتے ہیں۔،،(2)۔

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اوقات بھائی اپنے طے شدہ حصہ سے زیادہ وراثت کے دعوے دار بن جاتے ہیں، اس اقدام کی وجہ سے باقی ورثاء کے حصص متاثر ہو رہے ہوتے ہیں یہ اس حق سے تجاوز اور تعدی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے کہ تمام ورثاء کے حصے منصوص ہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھائی بغیر دباؤ کے دلی طور پر اپنے مرحوم بھائی کی بیٹیوں کو اپنا حق وصول کرنے کے بعد انھیں ہی ہبہ کر دیتا ہے لیکن کچھ مدت بعد پھر اس حق کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے یہ اس حق سے تجاوز ہے، اس لیے کہ ذی رحم کو کوئی چیز ہبہ کر کے واپس لینا ممنوع ہے۔(3)۔

1۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی میراث البنات، ج4ص414، حدیث 2092۔

2۔ابڑو، احکام وراثت، ص13۔

3۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی الرجوع فی الھبہ، ج3ص585۔

باب چہارم

سسرالی رشتوں کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

فصل اول

سسرال کے حقوق اور ان کی اہمیت

مبحث اول: خاوند پر ساس، سسر کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث دوم: بیوی پر ساس، سسر کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: زوجین کے بہن بھائیوں کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

سسرال کے حقوق اور ان کی اہمیت:

میکہ اور سسرال دونوں ہر گھر کی تنظیمی عمارت کا بنیادی ستون اور بقائے نسل انسانی کے امین ہیں۔ اسلام ان دونوں رشتوں میں باہم محبت، احترام، وفا، خلوص ہمدردی، ایثار، عدل، احسان اور تعاون کا درس دیتا ہے۔ یہ دونوں رشتے ان کی بنیادی ضرورت نکاح کے اظہار کلام ہیں انسان کا نسب تو اس کے والدین سے چلتا ہے لیکن اس کے علاوہ اس کی بیوی کے حوالے سے دوسرے خاندان کے ساتھ بھی اس کا رشتہ اور تعلق جوڑا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ساس اور سسر کو بھی اللہ تعالیٰ نے والدین جیسا تقدس اور احترام عطا کیا ہے۔ سسرالی رشتہ داریاں اگر نہ ہوتیں تو قبیلوں اور خاندانوں کا معاشرے میں باہمی ارتباط و اختلاط ممکن نہ ہوتا اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے الگ تھلگ رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سسرالی رشتوں کا تانا بانا اس طرح بن رکھا ہے کہ اس سے نوع انسانی باہم مربوط ہوتی چلی جاتی ہے قرآن مجید میں دونوں کو یکساں اہمیت دیتے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا(1)۔

،،اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا، پھر اسے خاندان اور سسرال بنادیا اور تیرا رب بے حد قدرت والا ہے۔،،

اس سے گذشتہ آیت میں دو سمندروں کے مختلف پانی کا ذکر کیا گیا اس کے بعد اس آیت میں جس پانی کے قطرہ سے انسان پیدا ہوتا ہے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کیونکہ انسان بھی بنیادی طور پر پانی کے دو قسم کے قطروں سے پیدا ہوتا ہے ایک قطرہ مرد کے صلب سے اور دوسرا قطرہ عورت کی چھاتی سے نکلتا ہے دونوں قطرے الگ الگ اجزاء پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جنھیں میڈیکل سائنس میں جرثومے کہا جاتا ہے جرثوموں کا دست قدرت کے اشارے سے رحم مادر میں ملاپ ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ مختلف شکلیں اختیار کرتے ہوئے ایک بچہ کی صورت اختیار کرتا ہے پھر زندگی کے مختلف مراحل سے گزر کر باپ کا درجہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد بنیادی طور پر اس کی نسل دو خاندانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک طرف اپنی اولاد کا باپ اور پوتے پوتیوں کا دادا بنتا ہے اور دوسری طرف سسر کے رشتہ میں منسلک ہو کر نواسوں اور نواسیوں کا نانا بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہی آدمی ایک کا بیٹا ہوتا ہے اور دوسرے کا داماد گویا پانی کی بوند سے اکیلا پیدا ہونے والا انسان کئی رشتوں سے منسلک ہو جاتا ہے۔ کئی انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دونوں رشتہ سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ کا رب اس بات پر قدرت رکھنے والا ہے یعنی وہ چاہے تو کسی کا نسب بڑھائے اور اسے باپ دادا اور سسرال کے رشتوں کے ساتھ منسلک کرے اور نہ چاہے تو اس کا نسب اسی پر ختم ہو جائے۔

اسلام کے عائلی قوانین میں خاوند اور بیوی پر سسرال کے حقوق کی ادائیگی اسی طرح لازمی کی گئی ہے جس طرح ان دونوں پر اپنی ذات کے حقوق ایک دوسرے پر فرض ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کا شریک حیات اس کے

1۔ الفرقان 54۔

قر باسے اچھا سلوک کرے تو اپنے شریک حیات کے قر باسے اچھا سلوک کرنا اس کا اپنا بھی فرض ہے قرآن و حدیث میں سسرال کے حقوق کی بہت تاکید کی گئی ہے اور سیرت طیبہ میں بیان کردہ آنحضرت ﷺ کے اپنے سسرال والوں کے ساتھ مثالی تعلقات اس کی عملی مثال او کیلیے مسلمان خاندان کے لیے مشعل راہ ہیں۔

مرد و عورت پر اپنے سسرال کے رشتوں اور ان کے حقوق کی ادائیگی اس لیئے بھی لازمی ہے کہ اس سے ان دونوں کے درمیان عائلی زندگی میں استحکام اور دوام پیدا ہوگا کیونکہ فطری بات ہے کہ کوئی بھی ازدواجی زندگی کی خاطر اپنے خونی تعلق کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ کے اپنے سسرال کے ساتھ تعلقات انتہائی اچھے تھے اور سسرال میں بھی آپ ﷺ کا بہت احترام تھا یہی وجہ ہے جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لیکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں تو ورقہ نے پورا واقعہ سننے کے بعد فرمایا۔

،،یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ کے پاس وحی لیکر آتا تھا کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا جب آپ کو آپ کی قوم وطن سے نکال دے گی (تو میں آپ کی مدد کرتا)۔،،(1)۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے خالہ زاد ابوالعاص سے کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سسرال کے ساتھ مزید رشتہ داریاں قائم کرنا بھی دراصل سسرال کے ساتھ اچھے تعلقات کی علامت ہے۔

آپ ﷺ کے اپنی ازدواج مطہرات حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب، حضرت سودہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والدین کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور یہ سب نامور صحابہ میں سے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اپنے سسر ابوسفیان کے گھر آجانے والوں کو عام معافی دے دینا بھی دراصل اپنے سسرال کا احترام تھا۔

آپ ﷺ کے اپنے داماد وں کے ساتھ تعلقات بھی قابل رشک تھے چنانچہ حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کے تعلقات مثالی اور قابل رشک تھے۔ اور حضرت عثمان کے نکاح میں ایک بیٹی کی وفات کے بعد دوسری دے دینا اس بات کی علامت ہے کہ یہ اچھے تعلقات کا ہی نتیجہ تھا۔ اور غزوہ بدر کے موقع پر جب آپ کے بڑے داماد ابوالعاص قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے مشورہ سے ان کو بغیر معاوضہ کے اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ مکہ واپس جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ خود بھی بعد میں اسلام لے آئے حضور ﷺ ان سے بہت خوش تھے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان کے بارے فرمایا۔

،،(انھوں نے دامادی کا رشتہ اچھی طرح نبھایا) مجھ سے ہمیشہ سچی بات کی اور وعدہ بھی پورا کیا۔،،(2)۔

سیرت و حدیث کی کتب میں سسرال کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب پر مشتمل متعدد واقعات ملتے ہیں چنانچہ حضرت میمونہ

1۔ صحیح بخاری، باب بدالوحی، ج1ص7 حدیث 3۔

2۔ صحیح بخاری، باب شروط المسر عند عقد النکاح، ج3، ص190۔

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی لونڈی آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔،، اگر وہ آپ اپنے ماموں (اور بعض روایات کے مطابق بھائیوں) کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ہوتا۔،، (1)۔

خاوند پر ساس، سسر کے حقوق و حدود، معاصر مسائل:

اسلام کے عائلی نظام میں خاوند پر اپنے سسرال کے حقوق کی ادائیگی کی جو تاکید کی گئی ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ ساس اور سسر اپنی بیٹی جس آدمی کے نکاح میں دیتے ہیں یہ اس کے محسن ہیں اور احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (2)۔،، احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔،،

اس کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل وجوہات بھی سسرال کے حقوق کی ادائیگی کا سبب ہیں۔

1۔ حق قرابت:

سسرال اہل قرابت میں شمار ہوتے ہیں، اور قرآن مجید میں متعدد مرتبہ اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ (3)۔ ،، اور رشتہ دار کو اس کا حق دے دیا کرو،،

قرآن مجید میں سسرال کے رشتے کا ذکر نسبی رشتے کے ساتھ کیا گیا ہے، جو دونوں کی یکساں اہمیت اور ان کے حقوق کی طرف واضح اشارہ ہے۔ جس طرح حرمت نسبی کی وجہ سے کچھ رشتوں سے نکاح حرام ہے ویسے ہی حرمت صہری کی وجہ سے بھی ان رشتوں سے نکاح حرام ہے۔ اس لیے سسرالی رشتے بھی قریبی رشتے ہیں ان کو بھی قرابت داری والے حقوق دینا ہوں گے۔

2۔ بیوی کے والدین:

خاوند کے ساس سسر بیوی کے والدین ہوتے ہیں، اور چونکہ بیوی خاوند کے ماتحت ہوتی ہے اور اس کے تمام معاملات کا اختیار اس کے خاوند کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو اسے حق قوامیت کی رو سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود بھی اپنے ساس سسر کے حقوق ادا کرے بلکہ بیوی کو بھی یہ حقوق ادا کرنے کی اجازت دے اور اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ اس لیے کہ حق قوامیت صرف حق سربراہی نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داریوں کے قبول کرنے کا دوسرا نام ہے۔

3۔ بچوں کا ننھیال:

ساس سسر خاوند کے بچوں کے نانی نانا ہوتے ہیں، چونکہ بچوں کے معاملات کا اختیار بھی والد کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو ان سے مربوط رکھنے کے لیے ان کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرے۔ اس لیے کہ بچوں کا ننھیال سے رحم والا تعلق ہوتا ہے، اور ذوی الارحام وہ رشتے ہیں جن کے ساتھ قطع تعلق پر سخت وعید ہے۔

1۔ صحیح بخاری، باب ہبۃ المراۃ لغیر زوجہا ج3 ص158، حدیث 2592۔

2۔ الرحمٰن 60۔

3۔ بنی اسرائیل 26۔

اور دراصل یہ سسرال کے ساتھ ساتھ بچے کا بھی حق ہے۔ خاوند یہ حق ادا کر کے دو رشتوں کے حقوق کی ادائیگی سے سرخرو ہو جاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کو فتح مصر کی نوید سناتے ہوئے ایک طویل حدیث میں سسرال اور ننھیال کے حقوق کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا۔

،، تم لوگ عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں قیراط کا رواج ہوگا۔ تم اسے فتح کرو تو وہ وہاں کے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا تم پر حق ہے ان کا تم سے دامادی اور رحم کا رشتہ بھی ہے۔،، (1)۔

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ دونوں کا تعلق مصر سے تھا اس لیئے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس رشتے کی لاج رکھنے کا حکم دیا۔ ساس سسر کے حقوق کی ادائیگی کو اس پہلو سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ یہ دراصل بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا ہی ایک حصہ ہے۔ بیوی کے والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان کا احترام اور بیوی کو ان کے حقوق ادا کرنے کی بخوشی اجازت دینا خاوند کی ذمہ داری ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سسرال میں جلیل القدر صحابہ کے علاوہ اہل کتاب اور مشرکین بھی شامل تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے حقوق کی ادائیگی کر کے ایک عمدہ مثال قائم فرمائی۔ آپ ﷺ اپنی بیوی اور اپنے سسرال کی تکریم کے پہلوؤں کو ہمیشہ اجاگر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ روایت میں ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے سبب پوچھا تو کہنے لگیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا بطور فخر یہ کہتی ہیں کہ ہمارا نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے اس لیے ہم بہتر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے بہتر کیوں کر ہو سکتی ہو۔ کہ میرا باپ ہارونؑ، چچا موسیٰؑ اور شوہر محمد ﷺ ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ سے فرمایا حفصہ اللہ سے ڈر واور توبہ کرو۔ وا ایسی بات مت کرنا۔،، (2)۔

داماد کے ذمہ اپنے سسرال کے جو حقوق لازمی ہیں ان کی رو سے خاوند پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے دو زیادہ اہم ہیں۔

1۔ حق حسن سلوک:

خاوند کا فرض ہے کہ وہ اپنے ساس سسر کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات نے آپ کے اصحاب کے دلوں میں سسرال کی اہمیت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو لازمی باور کرا دیا تھا۔

،، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جویریہ بنت حارث بن المصطلق (جنگ میں پکڑنے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں) حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں انہوں نے اپنے نفس (کو آزاد کرانے پر)

1۔ صحیح مسلم، باب وصیۃ النبی ﷺ باھل مصر، ج4 ص1970، حدیث 2543۔

2۔ سنن ترمذی، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ، ج5 ص708، حدیث 3892۔

بدل کتابت دینے کا معاہدہ کر لیا اور وہ ایک خوبصورت ملاحت والی عورت تھیں جن پر نظریں پڑتی تھیں، حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ وہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بدل کتابت کے بارے میں سوال کرتی ہوئی آئیں۔ وہ دروازہ میں کھڑی ہو گئیں تو میں نے انہیں دیکھا اور ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا میں نے۔ اور مجھے معلوم تھا کہ ابھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے وہی اعضاء دیکھیں گے جو میں نے دیکھے ہیں (چہرہ، قدو قامت وغیرہ) اور مجھے خیال ہوا کہ کہیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں بھی ان سے نکاح کی رغبت نہ ہو جائے) جویریہ (رض) کہنے لگی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جویریہ بنت الحارث ہوں اور جو میرا پہلے حال تھا، وہ آپ پر مخفی نہیں ہے اور میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں جا پڑی ہوں اور میں نے اسے اپنے نفس (کی آزادی پر) معاہدہ کتابت کر لیا ہے پس میں آپ کے پاس اپنے بدل کتابت کے بارے میں سوال کرنے آئی ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے لئے اس سے بہتر کچھ اور نہیں ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ وہ کیا رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ وہ کہنے لگی میں نے بیشک کر لیا (یعنی میں بخوشی راضی ہوں) حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ لوگوں نے یہ سنا کہ جویریہ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نکاح کر لیا تو انہوں نے وہ تمام قیدی (بنی مصطلق کے) جو ان کے قبضہ میں تھے، انہیں چھوڑ دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو حضور اکرم ﷺ کے سسرال والے ہیں ہم نے کوئی عورت اتنی برکت والی نہیں دیکھی اپنی قوم پر جویریہ سے زیادہ کہ ان کے سبب سے سو قیدی بنی المصطلق کے آزاد ہو گئے۔،،(1)۔

حسن سلوک کا تقاضہ ہے کہ ساس سسر کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا جائے، اور بیوی کو بھی ان سے ملاقات کی اجازت بخوشی دی جائے۔ سسرال میں کوئی غمی خوشی ہو یا ویسے ملنے جانا ہو تو بیوی پر قدغن نہ لگائی جائے۔ ایسا کرنا قطع رحمی کا سبب بننے کے زمرے میں آتا ہے۔ سسرال کا کوئی کام داماد کے متعلق ہو تو بہتر یہ ہے کہ داماد خود حاضر ہو کر ان کا کام کرے۔

،،فتح مکہ کے موقع پر حضرت عائشہ کے دادا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کی غرض حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا انھیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس حاضر ہو جاتا۔،،(2)۔

اس حق کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ ساس سسر کو بلا روک ٹوک اپنے ہاں آنے دے، آنحضرت ﷺ کے سسرال آپ کے ہاں آتے رہتے تھے۔ اور آپ ﷺ ان کی آمد پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ اظہار محبت بھی فرمایا کرتے تھے۔

حق حسن سلوک کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بلاشبہ ساس سسر مستحق حسن سلوک ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں بہت سے ساس سسر اپنے اس حق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے

1۔ابوداؤد، باب في بيع المكاتب اذا فسخت الكتابة، ج4ص22، حدیث 3931۔

2۔ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني، م852ھ۔الاصابة في تمييز الصحابة۔ محقق، عادل أحمد عبد الموجود و علي محمد معوض، بیروت: دار الكتب العلمية، طبع اول 1415 ھ، ج4، ص375۔

اس کی حدود سے تجاوز کرنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف داماد کے ساتھ ان کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں، بلکہ ان کی بیٹی کی خانگی زندگی بھی مشکلات سے دوچار ہونے لگتی ہے۔ اس کی ایک صورت جس کا صدور زیادہ دیکھنے میں آتا ہے وہ یہ کہ ساس سسر بیٹی کے گھریلو معاملات میں نہ صرف یہ کہ مداخلت کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، بلکہ حق حسن سلوک کی رو سے اسے اپنا حق بھی باور کرتے ہیں۔ اگر بیٹی کی طرف سے اپنے خاوند کے خلاف کوئی شکایت آئے تو داماد کی بات سنے بغیر یا اس کی بات کو سنی ان سنی کر کے یک طرفہ اور جانبدارانہ رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے استعمال اور داماد کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ حسنہ اپنے دامادوں کے ساتھ تو اس رویے کے بر عکس ہے۔

ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئے تو علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا، آپ نے کہا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ وہ بولیں کہ میرے اور ان کے درمیان میں کچھ (جھگڑا) ہو گیا، وہ مجھ پر غضبناک ہو کر چلے گئے اور میرے ہاں نہیں سوئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ دیکھ کر آیا اور اس نے کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (مسجد میں) تشریف لے گئے، تو وہ لیٹے ہوئے تھے ان کی چادر ان کے پہلو سے گر گئی تھی اور ان کے جسم میں مٹی بھر گئی تھی، (یہ دیکھ کر) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان (کے جسم) سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرماتے تھے کہ اے ابوتراب اٹھو، اے ابوتراب اٹھو۔،،(1)۔

ساس سسر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی کی شکایت پر یک طرفہ کاروائی سے اجتناب کریں۔ یہ حق حسن سلوک سے تجاوز ہے۔ بہت سے ساس سسر اپنے بڑے مرتبے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے زوجین کے معاملات کو سلجھانے کے بجائے الجھا دیتے ہیں حالانکہ ساس سسر چاہیں تو زوجین کے جھگڑے کو باآسانی ختم کروا سکتے ہیں۔ ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کسی بات پر ناراض ہو کر شکایت لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے انھیں سمجھایا اور فرمایا۔ تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت کرنی چاہیے اور انھیں واپس ان کے گھر بھیج دیا۔،،(2)۔

2۔ حق مالی معاونت :

ساس اور سسر اگر محتاج ہوں اور بیٹی مالدار ہو تو ان کی مالی معاونت کے لیے اپنی بیوی کو اجازت دینا اور ساس سسر کی مالی معاونت میں بیوی کی مدد کرنا شوہر کی ذمہ داری۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

،،ہر محرم رشتہ دار (نسبی) کے حق نفقہ کے لیے اس کے قریبی رشتہ دار شخص کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مالدار عورت

1۔ صحیح بخاری جزء باب نوم الرجل فی المسجد، ج1ص96، حدیث 441۔

2۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع أبو عبداللہ البصري الزهري۔ الطبقات الکبری، بیروت: دار صادر، ت۔ن، باب ذکر بنات الرسول ﷺ، ج8ص26۔

کو بھی مرد کی طرح اپنے رشتہ دار کے حق نفقہ کی ادائیگی کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ استحقاق صلہ رحمی کی بنیاد پر ہے جس میں مرد و عورتیں برابر ہیں۔،،(1)۔

اگر بیوی اپنے والدین کو کوئی ہدیہ دینا چاہیے تو خاوند کو چاہیے کہ اسے منع نہ کرے، بلکہ ہو سکے تو اس میں اس کی معاونت بھی کرے۔ سیرت و حدیث کی کتب میں سسرال کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب پر مشتمل متعدد واقعات ملتے ہیں چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک لونڈی آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

،،اگر وہ آپ اپنے ماموں (اور بعض روایات کے مطابق بھائیوں) کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ہوتا۔،،(2)۔

حق مالی معاونت کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

بعض گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ساس سسر اپنی بیٹی کے ذریعہ داماد سے ایسے مطالبات کرتے رہتے ہیں جو اس کی استطاعت میں نہیں ہوتے اور جب وہ انھیں پورا نہ کر سکے تو اس کی بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات یہ طلاق کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ یہ ساس سسر کی طرف سے مالی معاونت کے حق کا بے استعمال ہے۔ اس لیے کہ اپنی بیوی کے حق نفقہ جیسی بنیادی ذمہ داری کو بھی خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف رکھا گیا ہے تو اس طرح کی ثانوی ذمہ داریوں میں تو بطریق اولی اس کی مالی حیثیت کو مد نظر رکھا جائے گا۔

1۔ مبسوط، ج5 ص223:224۔

2۔ صحیح بخاری، باب ہبۃ المرأۃ لغیر زوجہا، ج3 ص158، حدیث 2592۔

بیوی پر ساس سسر کے حقوق و حدود، معاصر مسائل:

خاوند کے والدین بیوی کے ماں باپ کے قائم مقام ہیں۔ انھیں اپنے والدین کی طرح سمجھنا، ان کی عزت اور خدمت بے اور لگن سے کرنا، ان سے نرمی کے ساتھ بات اور ان کی دلجوئی کرنا بیوی کی ذمہ داری ہے۔ ازدواج مطہرات کے ساس سسر موجود نہیں تھے، لیکن دیگر صحابیات کی سیرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساس سسر کا احترام اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں، اور ان کا یہ اسوہ در حقیقت تعلیمات نبوت کا پر تو ہے۔ ساس اور سسر کی خدمت عہد رسالت ﷺ میں بھی بہوئیں کیا کرتی تھیں اور یہی ایک مسلمان بہو کی شان ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے۔

،، حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک جو ابو قتادہ (رض) کے بیٹے (عبداللہ) کے نکاح میں تھیں وفرماتی ہیں کہ ابو قتادہ (رض) میرے پاس آئے تو میں نے ایک برتن میں ان کے وضو کے لئے پانی رکھا۔ اتنے میں ایک بلی آئی اور اس میں سے پینے لگی تو انہوں نے برتن اس کے لئے جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا، کبشہ کہتی ہیں انہوں نے دیکھا کہ میں ان کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ بولے اے بھتیجی کیا تم کو اس بات سے حیرت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں اس پر ابو قتادہ (رض) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے بلی کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ وہ ہر وقت تمہارے گھروں میں آنے والی ہے۔،، (1)۔

ساس سسر کے حقوق کا ایک نہایت نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اولاد کے لیے اس کے ماں باپ کو اس کی جنت یا جہنم قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی خدمت کرنا، اطاعت کرنا اور ہر حال میں انھیں راضی رکھنا لازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیوی کے لیے اس کے شوہر کو اس کی جنت یا جہنم کہا گیا ہے۔ گویا پورے خاندان والدین (ساس اور سسر) بیٹا (شوہر) بیوی (بہو) کو باہم اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کیا گیا ہے کہ ان کے دنیاوی اور جز وی معاملات ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں۔ بیٹا اپنے والدین کی خدمت کا پابند ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی خدمت کرنے کی پابند ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بیٹا تو دن رات والدین کی خدمت پر کمربستہ رہے اور بیوی ،، شرعا سسرال کی خدمت لازم نہیں،، کے فتوی کی چادر اوڑھ کر مزے کی نیند سوئی رہے۔ اس سے نہ صرف ساس سسر کی زندگی تلخ ہو گی بلکہ خود بیوی اور شوہر کے درمیان ایک مستقل جھگڑے کی صورتحال پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے ساس سسر کی خدمت میں شوہر کے تعاون کو معاوضت علی الخیر سمجھ کر انجام دینا چاہیے۔

1۔۔ ابوداؤد، باب سور الھرۃ۔ ج 1 ص 19، حدیث 75۔

مکافات عمل:

بہو کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کے سسر اور ساس نے اس کے خاوند کی بچپن میں پرورش کی ہے ۔ وہ بڑا ہوا تو اسے زیور تعلیم سے آراستہ کیا ہے ۔ شادی کی عمر کو پہنچا تو اس کے ساتھ شادی کروائی۔ بیوی کو جان لینا چاہیے کہ بدلہ چکانے والا شخص نہیں مرتا۔ اور جیسا کوئی کسی سے سلوک کرتا ہے اس سے بھی ویسا ہی کیا جائے گا۔ اس لیے آج اگر عورت اپنے خاوند کے والدین سے اچھا سلوک کرے گی تو کل کو اس کے بیٹوں کی بیویاں بھی اس کے بڑھاپے میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گی۔ اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اللہ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،جو بھی جوان کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کے سبب عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی ایسے شخص کو متعین کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے۔،،(1)۔

خاوند کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ زیر کفالت والدین چونکہ خاوند کے اہل خانہ شمار ہوتے ہیں اس لیے ان کی نگرانی اور خدمت بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،عورت اپنے خاوند اور اس کے گھر والوں کی نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں بازپرس ہو گی۔،،(2)۔

بیوی پر اپنے ساس سسر کے ساتھ حسن سلوک کو اس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اسلامی معاشرے کے لوازمات اور قابل تحسین امور میں شمار کرتے ارشاد فرمایا۔

،،اس شخص کا تعلق ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے شرف و فضیلت کو نہیں پہچانتا۔،،(3) ۔

ساس سسر کی خدمت اگرچہ بیوی کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے لیکن یہ اخلاقی ذمہ داری ضرور ہے اور یہ ایسا عمل ہے جو زوجین کے درمیان الفت و محبت میں اضافہ کر کے ازدواجی زندگی مزید پرکیف بنا دیتا ہے۔ اسے اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھنا چاہیے کہ خاوند کو یہ یقین ہو چلے گا کہ اس کی بیوی اس کے بوڑھے زیر کفالت والدین کی خدمت صحیح طور پر سرانجام دے رہی ہے

1۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی اجلال الکبیر، ج4ص372، حدیث 2022۔

2۔ صحیح بخاری، باب فی قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، ج9ص62، حدیث 7138۔

3۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، ج4ص322، حدیث 1920۔

تو وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی اس ذمہ داری سے بے فکر ہو کر حصول معاش میں مصروف رہے گا جس کے نتیجہ میں آنے والی مالی فراخی بیوی کے لیے اس کی ذات اور اس کے بچوں کے حوالہ سے بھی آسودگی کا باعث بنے گی۔ ڈاکٹر شاہدہ لکھتی ہیں۔

،، محنت اور کوشش سے باہر سے کما کر گھر میں ضروریات مہیا کرنا مرد کا عمل ہے اور عورت کی ذمہ داری اس آمدنی سے ضرورت و طلب کے مطابق غذا وغیرہ تیار کرنا ہے۔ خاوند اور بیوی کے تعلقات میں بنیاد یہ ہے کہ مرد و عورت کے حقوق و واجبات میں برابری ہے۔ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ،، ان کے لیے جو حقوق ہیں وہ ان کی ذمہ داریوں کی مطابقت سے ہیں۔،، یہ آیت عورتوں کو اس طرح حق دے رہی ہے جس طرح ان پر مردوں کے حق ہیں۔ عورت سے کسی چیز کا مطالبہ ہو گا تو مرد سے بھی اسی طرح کا مطالبہ ہو گا۔،، (1)۔

بیوی کی جانب سے گھریلو امور کی انجام دہی اور ساس سسر کی خدمت کا تعلق ان معاشرتی امور سے ہے جو زوجین کی باہمی مفاہمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ایسی شرعی ذمہ داریوں سے نہیں ہے کہ شوہر یا سسرال عورت سے اس کا تقاضہ کریں اور عدم انجام دہی پر کوئی تعزیری اقدام کر سکیں۔ اسی طرح بیوی کو بھی گھریلو ذمہ داریوں سے دستکش نہیں ہونا چاہیے۔ گھریلو امور میں تعاون اور مفاہمت کا رویہ خوشگوار زندگی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے کہ خاندان کا ادارہ دونوں کے باہمی میل جول اور ان کے درمیان متوازن معاشرتی حیثیت سے تشکیل پاتا ہے۔ ان کے درمیان حاکم و محکوم اور آقا و غلام کے بجائے زوجیت کا رشتہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمسر اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ عربی زبان میں زوج کا اطلاق مرد و عورت پر یکساں ہوتا ہے، جس سے دونوں کی مساوی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاندان دو افراد مرد و عورت کے درمیان مساوی معاہدہ سے وجود میں آتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے فریقین پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک فریق (خاوند) کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے کی معاشی کفالت کرے تو اس کے جواب میں دوسرے فریق (بیوی) کی ذمہ داری ہے کہ وہ خانگی امور کا انتظام و انصرام کرے۔ کیونکہ باہمی تعاون سے ہی ادارے پروان چڑھتے ہیں۔ اور گھریلو انتظام کے حوالے سے خواتین خصوصی صلاحیت کی حامل ہیں۔ بہو کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کو اس کے والدین کے حوالہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ ان میں عیب تلاش نہ کرتی رہے، اور نہ ہی خاوند کو اپنے والدین کا نفقہ ادا کرنے سے نہ روکے۔ والدین کی اطاعت اور خدمت مرد کے ذمہ ہے اس لیے بیوی کو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے بلکہ اس بارے میں خاوند کو ترغیب

1۔ ڈاکٹر شاہدہ پروین، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، ص 312۔

اور اس کی معاونت کرنی چاہیے۔ اگر بیٹا خود ہی والدین سے قطع تعلق کرے تو اسے صلہ رحمی کی ترغیب دینی چاہیے۔ بیوی کو کبھی بھی اپنی ساس کے مقابلے میں اپنے خاوند پر اپنا حق نہیں جتانا چاہیے۔

،، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ عورت کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کے خاوند کا ہے۔ میں نے پوچھا مرد کے ذمہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا اس کی ماں کا۔،، (1)۔

ساس سسر کے حوالہ سے بیوی کو یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ یہ دونوں اس کے بچوں کے دادی دادا ہیں اور ان کے ساتھ اس کے بچوں کا تعلق رحم کا ہے۔ لہذا اسے کسی بھی ایسے اقدام سے گریز کرنا چاہیے جس کے باعث اس کے بچوں کے دل میں اپنے دادی دادا کی نفرت پیدا ہو اس لیے کہ یہ نفرت کا بویا ہوا بیج آنے والے وقت میں بچوں کی جانب سے ان کے ددھیال کے لیے قطع رحمی کا سبب بن سکتا ہے، اور جس طرح قطع رحمی حرام ہے اسی طرح اس کا سبب بننا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ دیکھے کہ اس کے بچے اپنے ددھیال کے حوالہ سے کسی کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو اسے انھیں سمجھا کر ددھیال کی عظمت ان کے دلوں میں پیدا کرنی چاہیے۔ اس سے اس کے خاوند کو بھی خوشی ہوگی اور حکم الہی بھی پورا ہو سکے گا۔ ساس سسر کا مقام بہو کے لیے اتنا زیادہ اور اہم ہے کہ وہ اگر اپنی بہو میں کوئی معقول شرعی اور ناقابل اصلاح خامی دیکھیں تو وہ اپنے بیٹے سے اسے طلاق دلوانے کا حق بھی رکھتے ہیں۔

،، عبد اللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں میرے نکاح میں ایک عورت تھی اور میں اس سے محبت کرتا تھا اور میرے والد (سیدنا عمر) اس کو برا جانتے تھے۔ آخر انہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ذکر کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ طلاق دیدو اس عورت کو اور میں نے طلاق دیدی۔،، (2)۔

ساس سسر کے حقوق کی حدود اور اس کا بے جا استعمال:

ساس سسر کی خدمت بہو کی اخلاقی ذمہ داری ہے نہ کہ قانونی و شرعی ذمہ داری لیکن ہمارے معاشرے کے اکثر گھرانوں میں اس اخلاقی ذمہ داری کو اس طرح عورت پر لازم کر دیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک خادمہ ہے۔ اور وہ بے چاری سسرال کی خدمت میں ایسی مصروف رہتی ہے کہ شادی کے بنیادی مقاصد یعنی شوہر کو تسکین دینے کو پورا نہیں کر پاتی۔

1۔ مستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، ج4 ص167، حدیث 7244۔

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الرجل یامرہ ابوہ بطلاق امراتہ، ج1 ص675، حدیث 2088۔

سسرال کی طرف سے ایسا رویہ اس اخلاقی حق کا بے جا استعمال ہے اور بہت سی صورتوں میں اس حق سے تجاوز کے زمرے میں بھی آجاتا ہے۔ قانونی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بیوی پر یہ فرض ہے کہ اپنے شوہر کی ہر ممکن اطاعت اور خدمت کرے اس کی راحت اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ لیکن سسرال کی خدمت اس کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔ اسلام تو قانونی حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی اجازت نہیں دیتا کجا اخلاقی حقوق کو قانونی سمجھ لینا اور ان سے تجاوز اور ان کا بے جا استعمال کرنے لگنا۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

،، بعض آدمی اس بات کو بڑی سعادت سمجھتے ہیں کہ بیوی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیویوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی پر فرض نہیں ہے کہ ساس کی خدمت کیا کرے تم سعادت مند ہو تو خود خدمت کیا کرو یا خدمت کے لیے نوکر لاؤ۔،، (1)۔

ہمارے معاشرے کے کچھ گھرانوں میں ساس سسر بہو کے ساتھ اپنی ذاتی رنجشوں کی بنا پر (جو شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے غیر معقول ہوتی ہیں) بہو کو طلاق دلوانے کی دھمکیاں دیتے ہیں اور بعض اوقات عملاً بھی ایسا کروا دیتے ہیں۔ ایسا کرنا اپنے طلاق دلوانے کے حق کا بے جا استعمال ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت عمر (رض) کے واقعہ سے استدلال اس لیے درست نہیں کہ حضرت عمر ایسے صاحب الرائے اور صائب الرائے تھے کہ جن کی بہت سی آرائے اقدس پر وحی کی تائید بھی آچکی ہے۔ اور یہ بھی کہ جائز امور میں اللہ تعالیٰ کو طلاق کا عمل سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

بہت سے گھرانوں میں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر بہو کو طعنے دیے جاتے ہیں، اور اسے منحوس متصور کر کے اس کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے۔ یہ ساس سسر کی طرف سے اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے بیٹی کی پیدائش میں بہو کا علم دخل نہیں ہے بلکہ یہ تو قدرت کی عطاء ہے۔ وہ جسے چاہے بیٹے دے اور جسے چاہے بیٹیاں اور چاہے تو کچھ بھی نہ دے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا (2)۔

،، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔،،

1۔ تھانوی، مولانا اشرف علی۔ اصلاح احوال۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، 1417ھ، جلد 2، ص 187۔

2۔ الشوریٰ: 49

زوجین کے بہن بھائیوں کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

خاوند کے بہن بھائیوں کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

خاوند کے بھائی بیوی کے دیور اور جیٹھ اور خاوند کی بہنیں بیوی کی نندیں کہلاتی ہیں۔ دیور اور جیٹھ کے لیے عربی میں ایک مشترکہ لفظ حمو استعمال کیا جاتا ہے۔ سسرالی رشتہ داروں میں بیوی کے لیے ساس سسر یا ساس سسر کے والدین اگرچہ وہ اوپر کے ہوں کے علاوہ کوئی اور محرم نہیں ہے۔ دیور اور جیٹھ غیر محرم ہیں لیکن ان کے حقوق اپنی جگہ موجود ہیں۔ بیوی کو چاہیے کہ وہ شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ خاوند کے بہن بھائیوں کو اپنے بہن بھائی سمجھ کر ان کے حقوق ادا کرے۔ اگر خاوند کے بہن بھائی ماں کی طرف سے یتیم (نابالغ) ہوں تو ان کی کفالت بیوی کی نگرانی اور دیکھ بھال بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (1)۔

،،اور لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے اگر کمزور اولاد چھوڑتے تو ان کے متعلق ڈرتے، پس لازم ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔،،

نبی کریم ﷺ نے یتیم کی کفالت کو خاص اہمیت کے ساتھ بیان کرتے ارشاد فرمایا۔

،،میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور شہادت اور درمیان والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان ذرا کشادگی رکھی۔،، (2)۔

اس بارے میں بڑی واضح مثال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نکاح کا واقعہ ہے۔

،،حضرت جابر بن عبداللہ (رض) سے روایت ہے کہ عبداللہ انتقال کر گئے اور نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا اے جابر! تو نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کنواری یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیوہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تو نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی کہ تم اسے کھلاتے اور وہ تمہیں کھلاتی یا فرمایا تم اسے ہنساتے اور وہ تمہیں ہنساتی میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ میرے والد عبداللہ فوت ہو گئے اور انہوں نے نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں ہیں اور میں نے نا پسند کیا کہ میں ان جیسی ایک اور عورت لے آؤں اور میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ایک

1۔ النساء 9۔

2 ۔ صحیح بخاری، باب اللعان، ج7 ص53، حدیث 5304۔

ایسی عورت لاؤں جوان کی خبر گیری کرے اور حبہ مسیے بھی کرے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نےفرمایااللہ تیرے لئے برکت دے یا مجھےفرمایا تیرے لئے بھلائی ہو۔،،(1)۔

بیوی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کے بہن بھائیوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔بیوی پر ان کے حوالہ سے وہ تمام حقوق عائد ہوتے ہیں جوکلیے قرابت دار کے دوسرے پر ہوتے ہیں۔ان میں ادب واحترام کرنا ،ہدیہ دینا، بیمار پرسی اور تیمارداری کرنا ،دعوت قبول کرنا اور غمی خوشی میں شریک ہونا وغیرہ شامل ہے۔نندیں اگر اپنی شادی کے بعد بھائی کے گھر آئیں تو ان کا خوش دلی سے استقبال کرے اور انھیں دیکھ کر منہ نہ چڑھائے اور نہ بیماری کا بہانہ بنا کر لیٹ جائے۔اس لیے کہ بھائی کے ساتھ حق نسب ۔ کی وجہ سے اپنے بھائی کے ہاں ان کا آنا ان کا حق ہے اور اس حق کی ادائیگی میں بیوی کو خوش دلی سے اپنے شوہر کی معاونت کرنی چاہیے۔خاوند کے بہن بھائی اس کے بچوں کے چچے اور پھوپھیاں جن کے ساتھ اس کے بچوں کا انتہائی قریبی تعلق ہے۔اور اس تعلق کے حقوق تبھی ادا ہوسکتے ہیں ۔ یہ اپنے بچوں کے دل میں بچپن سے ہی ان کے رشتے کی عظمت اور تقدس پیدا کرے گی۔اگر وہ ایسا نہیں کرتی اور اس کے نتیجے میں اس کے بچوں کی طرف سے ان رشتوں کے حقوق میں کمی کوتاہی واقع ہوتی ہے تو اس میں یہ برابر کی ذمہ دار ہو گی۔

بیوی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لیے اس کے بہن بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔کیونکہ اگر اس کے بھڑکانے سے وہ قطع رحمی کر بیٹھا تو یہ اس کی دنیا اور آخرت کی مجرم ٹھہرے گی۔اسی طرح اسے اپنے سسر کی وراثت ۔ سے اپنی نندوں کے حصے کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں بننا چاہیے۔ایسا کرنا نص قطعی پر عمل کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہوگا۔اگر کہیں مشترکہ خاندانی نظام چل رہا ہو تو اس میں اسے اپنے خاوند کو اپنے حصے سے کم مالی معاونت ۔ پر اکسانا نہیں چاہیے،بلکہ اسے اپنا حصہ پورا ادا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔اسلام بیوی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے خاوند کو اس کے بہن بھائیوں سے متنفر یا بدظن کرے۔نبی کریم ﷺ نے اس رشتے کو نظرانداز کروانے کا سبب بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

،،ابو موسیٰ سے روایت ۔ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماں اور بیٹے اور بھائی اور بھائی کے درمیان جدائی کروانے والے پر لعنت فرمائی۔،،(2)۔

1۔ صحیح مسلم، باب استحباب نکاح البکر ،ج2ص1087۔

2۔ابن ماجہ، باب ما یرجی من رحمۃ اللہ یوم القیامہ،ج2ص1435، حدیث ۔ 2250۔

ان کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کے بچوں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا ثبوت دیا جائے، اور اپنے بچوں کو ان کے ساتھ مانوس کرتے ہوئے حق تعلق سکھایا جائے۔

خاوند کے بہن بھائیوں کے حقوق و حدود اور ان کا بے جا استعمال:

بیوی پر خاوند کے بہن بھائیوں کے بہت سے حقوق کے باوجود یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دیور اور جیٹھ غیر محرم ہیں۔ اسی طرح نندوں کے خاوند اور خاوند کے بہن بھائیوں کے بالغ بیٹے غیر محرم ہیں، اس لیے ان سے پردہ لازمی ہے۔ ہمارے معاشرے کے اکثر گھرانوں میں اس حوالہ سے بڑی کمزوری موجود ہے کہ مذکورہ غیر محرموں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔

بہت سے گھرانوں میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اگر بیوی مذکورہ غیر محرموں سے پردہ کرے تو اسے مطعون کیا جاتا ہے یہ خاوند کے بہن بھائیوں کی طرف سے اپنے حقوق سے تجاوز ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ رشتوں سے پردے کا حکم منصوص ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔

،، عورتوں کے پاس جانے سے بچو انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیور کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دیور تو موت ہے۔،، (1)۔

اس روایت میں خاوند کے بھائی سے جو پردے کا حکم ہے اس سے نندوں کے خاوندوں اور خاوند کے بالغ بھتیجوں، بھانجوں سے پردے کا حکم بطریق اولیٰ ہوتا ہے۔

خاوند کے بہن بھائیوں کی خدمت اور نگہداشت بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے نہ کہ قانونی اور شرعی ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں اسے بیوی کی قانونی اور شرعی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس اخلاقی حق کا بے جا استعمال ہے۔ کیونکہ اگر یہ خدمت بیوی کی قانونی ذمہ داری ہوتی تو نبی کریم ﷺ حضرت جابر کی بات سن کر ضرور فرماتے کہ خواہ کنواری سے کرو یا بیوہ و مطلقہ سے تمہاری بہنوں کی خدمت کرنا تو اس پر لازمی ہے۔ اس حدیث سے تو اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرت جابر نے اپنی مجبوری کی بنا پر اپنے سے کم حیثیت والی عورت سے شادی کی تا کہ وہ آپ کی بہنوں کے کام آسکے۔ اگر یہ خدمت بیوی پر لازم ہوتی تو پھر کسی بھی عورت سے کی جا سکتی تھی۔

بیوی کے بہن بھائیوں کے حقوق و حدود، معاصر مسائل:

بیوی کی بہن کو سالی اور بھائی کو سالا کہا جاتا ہے۔ بیوی کے ساتھ حق تعلق کی وجہ سے خاوند کے کندھوں پر بھی ان کے حوالہ سے بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لیکن ان حقوق کی ادائیگی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بیوی کی بہنیں

1۔ صحیح مسلم، باب الخلوۃ بالاجنبیۃ والدخول، ج4ص1711، حدیث 2172۔

اور سالوں کی بیویاں غیر محرم ہیں۔ اس لیے ان کے حقوق کی ادائیگی ضرور کی جائے لیکن اس میں شرعی پردے کو متاثر نہ ہونے دیا جائے۔

بیوی کی بہنوں کا یہ حق ہے کہ اگر وہ فوت ہو جائیں اور ان کے چھوٹے بچوں کی نانی، دادی یا بڑی بہن موجود نہ ہو تو اپنی بیوی (بچوں کی خالہ) کو اجازت دی جائے کہ وہ مدت حضانت میں اس کے بچوں کی پرورش کرے۔ البتہ اس دوران ان بچوں کے اخراجات ان کے اپنے باپ کے ذمہ ہوں گے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ماں کے نہ ہونے یا اپنے حق حضانت سے دستبردار ہو جانے کی صورت میں نانی، دادی اور بڑی بہن کے بعد حق حضانت خالہ کو حاصل ہے۔ (1)۔

احادیث میں آنحضرت ﷺ کے عمرۃ القضاء کے واقعہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ۔

،، حضرت حمزہ کی صاحبزادی پچا پچا پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے چلی تو انہیں حضرت علی (رض) نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ سے کہا کہ اپنے چچا کی صاحبزادی کو لے لو، کہ میں نے اسے لے لیا ہے (مدینہ پہنچ کر) علی، زید اور جعفر نے جھگڑا کیا، حضرت علی (رض) نے کہا کہ میں نے ہی (پہلے) اسے لیا ہے اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے جعفر نے کہا، یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے زید نے کہا یہ میری بھتیجی ہے، رسول ﷺ نے (حضرت جعفر کے حق میں) اس کی خالہ کی وجہ سے فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔،، (2)۔

بیوی اگر اپنے بہن بھائیوں کو کوئی ہدیہ دینا چاہے تو خاوند کو اسے منع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اگر گنجائش موجود ہو تو خود بھی انھیں ہدیہ دینا چاہیے اور اگر وہ نادار ہوں تو ان کی مالی امداد کرنا چاہیے۔

،، حضرت میمونہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک لونڈی آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ آپ اپنے ماموں (اور بعض روایات کے مطابق بھائیوں) کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ہوتا۔،، (3)۔

اگر بیوی کے بہن بھائیوں کی اولاد میں اچھا اور مناسب رشتہ موجود ہو تو ان کے ساتھ اپنے بچے، بچیوں کے رشتے کروانا بھی سالوں اور سالیوں کا حق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بڑی بیٹی حضرت زینب کا نکاح ان کے خالہ زاد ابو العاص سے کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سسرال کے ساتھ مزید رشتہ داریاں قائم کرنا بھی دراصل سالوں اور سالیوں کے حقوق کی علامت

1۔ خلاف، عبد الوھاب، م 1375ھ۔ أحكام الأحوال الشخصية في الشريعة الإسلامية۔ قاہرہ: دار الكتب المصرية، 1357ھ-1938ء، باب الحضانة، ج 1 ص 207۔

2۔ صحیح بخاری، باب عمرۃ القضاء، ج 5، ص 141، حدیث 4251۔

3۔ صحیح بخاری، باب ھبۃ المراۃ لغیر زوجہا، ج 3، ص 158، حدیث 2592۔

ہے۔آنحضرت ﷺ اپنی سالیوں کے تشریف لانے پر مسرت اور انبساط کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

،، حضرت خدیجہ کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آنے کی اجازت مانگی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت خدیجہ کا اجازت مانگنا یاد آگیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی وجہ سے خوش ہوئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے اللہ یہ ہالہ بنت خویلد ہیں۔،،(1)۔

سالی کا رشتہ قابلِ احترام ہونے کے ساتھ نازک بھی ہے۔اس کے حقوق بجا لیکن یہ غیر محرم ہے۔ام عبد منیب لکھتی ہیں۔

،، محرم وہی رشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ابدی محرم قرار دیا ہے۔اگر بہنوئی محرم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے اپنے سالیوں کے روبرو آنے کے متعدد واقعات ملتے۔آپ ﷺ کی سالیوں کی تعداد تقریباً تیرہ تھی لیکن ایسا کوئی واقعہ بھی نہیں ملتا جو سالیوں کے بہنوئی سے پردہ نہ کرنے پر دلالت کرتا ہو۔،،(2) ۔

اگر سالی سے پردہ فرض نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی صاحبزادیوں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ کی زندگیوں سے چند ایک واقعات یا ایک واقعہ ہی ایسا ملتا جو ان کے اور ان کے سوتیلیوں کے درمیان بات چیت یا کھلے منہ سامنے آنے کی دلیل ہوتا۔حالانکہ حضرت ابو العاص ان کے بہنوئی اور خالہ کے بیٹے تھے،اور حضرت علی ان کے والد کے چچازاد اور ان کے گھر میں ہی پلے بڑھے تھے۔

،، حضرت اسماء بنت ابی بکر (رض) سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے جب مقام اعرج پر پہنچے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اترے پس ہم لوگ بھی اتر گئے حضرت عائشہ (رض) حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھی اور میں (اپنے والد) ابو بکر (رض) کے پس بیٹھی۔،،(3)۔

سورۃ النساء کی آیت 23 میں اللہ تعالیٰ نے جو بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں لینے سے منع کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سوکناپے کی وجہ سے ان کے درمیان قطع رحمی پیدا نہ ہو، بچوں میں سوتیلے پن کے جراثیم نہ جنم لیں اور تعلقات میں غیرت کی دراڑ نہ آنے پائے۔اگر اس کی اجازت ہوتی تو اس سے بہن جیسے مقدس رشتے کا تقدس، احترام اور وقار مجروح ہو کر قطع رحمی ہو جاتی۔اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ قطع رحمی کے انسداد کے لیے جمع بین الاختین حرام ہے، تو پھر شوہر کو یہ اجازت کیسے دی جا سکتی ہے کہ وہ ایسا کوئی اقدام کرے جس سے اس کی بیوی اور اس کے بہن بھائیوں کے درمیان قطع رحمی ہو۔

خاوند کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کے دل میں ماموں اور خالہ کے رشتے کا تقدس اور اہمیت پیدا کرے۔اور ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے بچوں کے دل میں ان کی نفرت جنم لے۔ان کی غمی، خوشی میں شریک ہونا اور عام حالات میں بھی ان کے ہاں آتے جاتے رہنا اور بیوی کو بخوشی ان کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کی اجازت دینا اور ان کے آنے پر خوش دلی سے پیش آنا خاوند کی ذمہ داری ہے۔

1۔ صحیح مسلم، باب فضائل خدیجہ، ام المؤمنین، ج4ص1889، حدیث 2437۔

2۔ام عبد منیب۔دیور اور بہنوئی،لاہور مشربہ علم وحکمت، ت۔ن، ص10۔

3۔ سنن ابوداؤد، باب المحرم یؤدب غلامہ، ج2ص163، حدیث 1818۔

بیوی کے بہن بھائیوں کے حقوق و حدود اور ان کا بے جا استعمال:

بلاشبہ سالی اور سالا حسن سلوک ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ اپنے اس حق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حدود سے تجاوز کرنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف بہنوئی کے ساتھ ان کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں، بلکہ ان کی بہن کی خانگی زندگی بھی مشکلات سے دوچار ہونے لگتی ہے۔ اس کی ایک صورت جس کا صدور زیادہ دیکھنے میں آتا ہے وہ یہ کہ بہن بھائی گھریلو معاملات میں نہ صرف یہ کہ مداخلت کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، بلکہ حق حسن سلوک کی رو سے اسے اپنا حق بھی باور کرتے ہیں۔ اگر بہن کی طرف سے اپنے خاوند کے خلاف کوئی شکایت آئے تو بہنوئی کی بات سنے بغیر یا اس کی بات کو سنی ان سنی کر کے یک طرفہ اور جانبدارانہ رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے استعمال اور بہنوئی کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ حسنہ اپنے دامادوں کے ساتھ تو اس رویے کے برعکس ہے۔ ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ کسی بات پر ناراض ہو کر شکایت لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے انھیں سمجھایا اور فرمایا۔ تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت کرنی چاہیے اور انھیں واپس ان کے گھر بھیج دیا۔،،(1)۔

ہمارے معاشرے میں اکثر گھرانوں میں سالی سے پردے کے حکم کو نہ صرف یہ کہ کھلے بندوں نظر انداز کیا جاتا ہے، بلکہ اسے کوئی خلاف شرع کام بھی نہیں گردانا جاتا۔ اگر کہیں بہنوئی اس شرعی حکم پر عمل کرنا بھی چاہے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ایسے رویے اپنے حقوق سے تجاوز کے زمرے میں آتے ہیں اور ممنوع ہیں۔ اس لیے کہ سالی سے بہنوئی کا پردہ منصوص ہے۔

بعض گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ سالیاں اور سالے اپنی بہن کے ذریعے یا براہ راست بہنوئی سے ایسے مطالبات کرتے رہتے ہیں جو اس کی استطاعت میں نہیں ہوتے اور وہ انھیں پورا نہ کر سکے تو اس کی بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ طلاق کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ یہ ان کی طرف سے مالی معاونت کے حق کا بے استعمال ہے۔ اس لیے کہ اپنی بیوی کے حق نفقہ جیسی بنیادی ذمہ داری کو بھی خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف رکھا گیا ہے تو اس طرح کی ثانوی ذمہ داریوں میں تو بطریق اولی اس کی مالی حیثیت کو مد نظر رکھا جائے گا۔

1۔ الطبقات الکبریٰ، محولہ بالا، باب ذکر بنات الرسول ﷺ، ج 8 ص 26۔

فصل دوم

داماد اور بہو کے حقوق و حدود

مبحث اول: داماد کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث دوم: بہو کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

مبحث سوم: بھابھی، بہنوئی کے حقوق، حدود اور معاصر مسائل

داماد کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

داماد صرف فرد - واحد ہی نہیں بلکہ ساس سسر کے ایسے بیٹے کی حیثیت رکھتا ہے جسے انھوں نے اپنی بیٹی کا شریک زندگی برضاورغبت منتخب کیا ہے۔داماد کے حقوق ادا کرنا دراصل بیٹی کے ہی حقوق ادا کرنے مترادف ہے۔اسلام ساس سسر کو اپنے داماد کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت ومحبت کی تعلیم دیتا ہے۔داماد کی خوبیوں کا اعتراف کرنا اپنی بیٹی کی ازدواجی خوشیوں میں اضافے کا بہترین نفسیاتی طریقہ بھی ہے اوراس کا تصور ہمیں رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے بھی ملتا ہے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے بھانجے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے شوہر تھے۔ابتدائے اسلام میں کفار نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دے دیں مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہا۔،،اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو اپنے آپ سے جدا نہیں کروں گا۔ غزوہ بدر میں ان کا فدیہ یہ قرار پایا کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے توانھوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا۔انھوں نے حضرت زینب کی موجودگی میں دوسری شادی کا سوچا تک نہیں ۔ ان کے اس حسن سلوک کا اعتراف اور تعریف کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ،،آپ ﷺ نے قبیلہ عبد شمس والے اپنے داماد کا ذکر کیا اوران کی تعریف وتوصیف بیان کرکے فرمایا انہوں نے جو بات مجھ سے کہی سچی کہی اور مجھ سے جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔،،(1) ۔

آپ ﷺ اپنے داماد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتنا پیار کرتے تھے کہ اپنی دو بیٹیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنھما یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں۔اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کا والہانہ تعلق تو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

داماد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اگر بیٹی سسرال کی کوئی شکایت لے کر والدین کے پاس جائے تو انھیں بیٹی کو سمجھانا چاہیے۔ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ بیٹی کی حمایت اور داماد کی بات سنے بغیر اس کی مخالفت پر اتر آئیں۔ساس سسر اگر چاہیں تو ایسے مواقع پر بیٹی کی حمایت میں یکطرفہ رائے قائم کرکے بیٹی کا گھر اجاڑنے کے بجائے داماد کے ساتھ مل بیٹھ کر اس مسئلے کا بہترین حل نکال سکتے ہیں۔احادیث میں اس کی مثال موجود ہے۔

ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاطمہ رضی اللہ عنھا کے گھر میں آئے تو علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا، آپ نے کہا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ وہ بولیں کہ میرے اوران کے درمیان میں کچھ (جھگڑا) ہو گیا، وہ مجھ پر غضبناک ہو کر چلے گئے اور میرے ہاں نہیں سوئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ

1۔ صحیح بخاری، باب ذکر اصہار النبی ﷺ، ج 5 ص 22، حدیث: 3729۔

دیکھ کر آیا اور اس نے کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (مسجد میں) تشریف لے گئے، تو وہ لیٹے ہوئے تھے ان کی چادر ان کے پہلو سے گر گئی تھی اور ان کے جسم میں مٹی بھر گئی تھی، (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ ان (کے جسم) سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرماتے تھے کہ اے ابوتراب اٹھو، اے ابوتراب اٹھو۔،،(1)۔

ساس سسر کو اپنے بڑے مرتبے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے زوجین کے معاملات کو سلجھانے کے بجائے الجھانا نہیں چاہیے ،حالانکہ ساس سسر چاہیں تو زوجین کے جھگڑے کو باآسانی ختم کروا سکتے ہیں ۔ ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ کسی بات پر ناراض ہو کر شکایت لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے انھیں سمجھایا اور فرمایا۔ تمہیں اپنے خاوند کی اطاعت کرنی چاہیے اور انھیں واپس ان کے گھر بھیج دیا۔،،(2)۔

اسلام داماد میں عیب تلاش کرنے، بیٹی کو اس کے خلاف ابھارنے، داماد کے گھریلو معاملات یا اس کے کے حقوق فرائض کی ادئیگی میں بے جا دخل اندازی کرنے اور داماد کو اس کے والدین یا دیگر قرابت داروں سے برگشتہ کرنے والی باتوں سے منع کرتا ہے۔ بیٹی کو داماد کے ہر جائز کام میں معاونت ، موافقت اور اطاعت پر ابھارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ داماد کے حوالہ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کو حکمت کے ساتھ سر انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ داماد کے والدین اور اس کے عزیز واقارب کا احترام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

داماد کے حقوق وحدود اور ان کا بے جا استعمال:

بد قسمتی سے ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں سسرال کے ساتھ حسن سلوک کو ایک عیب اور زن مریدی شمار کیا جاتا ہے۔ اس غلط انداز فکر کی وجہ سے بہت سے داماد اپنے سسرال کی جانب سے حاصل حقوق کا بے جا استعمال شروع کر دیتے ہیں، اس کی ایک زیادہ پیش آنے والی صورت یہ ہے کہ داماد منہ زور اور خود سر ہو کر ساس سسر کے احترام میں ہی کمی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے علاوہ اپنے لیے سسرال کی جانب سے حاصل حق سے تجاوز بھی ہے آنحضرت ﷺ تو اپنے سسرال کے بزرگوں کا غیر معمولی احترام فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے۔ ،،فتح مکہ کے موقع پر حضرت عائشہ کے دادا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا انھیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس حاضر ہو جاتا۔،،(3)۔

1۔ صحیح بخاری جزو باب نوم الرجل فی المسجد، ج1ص96، حدیث 441۔

2۔ طبقات الکبریٰ، باب ذکر بنات الرسول ﷺ، ج8ص26۔

3۔ الاصابہ، ج4ص375۔

بہت سے گھرانوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اشارۃً یا صراحتاً بہت سے داماد اپنے بچوں کے سامنے اپنے ساس سسر کا تذکرہ منفی طریقے سے کرتے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے لاشعوری طور پر بچوں کے دل میں اپنی نانی اور نانا کے خلاف منفی جذبات پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ داماد کا ایسا رویہ اور طرز عمل اپنے سسرال کی جانب سے حاصل حقوق کا بے جا استعمال ہے۔ نبی کریم ﷺ تو اپنے سسرالی رشتوں کے احترام کا بہت خیال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو فتح مصر کی نوید سناتے ہوئے ایک طویل حدیث میں سسرال کے حقوق کا خیال رکھنے کا یوں حکم دیا

،، تم لوگ عنقریب مصر فتح کروگے جہاں قیراط کا رواج ہوگا۔ تم اسے فتح کرو تو وہ وہاں کے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا تم پر حق ہے ان کا تم سے دامادی اور رحم کا رشتہ بھی ہے۔،، (1)۔

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ دونوں کا تعلق مصر سے تھا اس لیئے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس رشتے کی لاج رکھنے کا حکم دیا۔

بہت سے گھرانوں میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے سامنے اپنے ساس سسر اور دیگر سسرالی رشتہ داروں کی عیب جوئی کرتے ہیں اس کے باعث نہ صرف یہ کہ ازدواجی زندگی میں بے سکونیاں جنم لیتی ہیں بلکہ یہ سسرال کی جانب سے حاصل حقوق کا بے استعمال اور شرافت کا ناجائز فائدہ بھی اٹھانے کے مترادف ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے سبب پوچھا تو کہنے لگیں کہ حفصہ بطور فخر یہ کہتی ہیں کہ ہمارا نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے اس لیے ہم بہتر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے بہتر کیوں کر ہو سکتی ہو۔ کہ میرا باپ ہارونؑ، چچا موسیٰؑ اور شوہر محمد ﷺ ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ سے فرمایا حفصہ اللہ سے ڈرو اور آئندہ ایسی بات مت کرنا۔،، (2)۔

بہت سے داماد سسرال کی نرم مزاجی اور بیٹی دے کر مجبور ہونے کی وجہ کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ساس سسر کے نادار اور بیوی کے صاحب مال ہونے کے باوجود بیوی کو اپنے والدین کی مالی معاونت سے منع کرتے ہیں۔ یہ بھی اپنے حقوق سے تجاوز کیونکہ کسی کو اس کے فرض سے روکنا تعدی ہے۔ ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں۔ ،،ہر محرم رشتہ دار (نسبی) کے حق نفقہ کے لیے

1۔ صحیح مسلم، باب وصیۃ النبی ﷺ باھل مصر، ج4 ص1970، حدیث 2543۔

2۔ سنن ترمذی، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ، ج5 ص708، حدیث 38923۔

153

اس کے قرابت دار شخص کو مجبور کیا جاسکتا ہے۔اس طرح مال دار عورت کو بھی مرد کی طرح اپنے قرابت دار کے حق نفقہ کی ادائیگی کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ استحقاق صلہ رحمی کی بنیاد پر ہے جس میں مرد و عورتیں برابر ہیں۔،،(1)۔

بہو کے حقوق و حدود، معاصر مسائل:

بہو سسرالی نسل کی ماں ہوتی ہے۔ساس سسر بہو کو بڑے شوق سے منتخب کر کے اپنے بیٹے کی زندگی کے ساتھی کے طور پر منتخب کر کے لاتے ہیں۔اس لیے بہو ان کی بیٹی کے بمنزلہ ہوتی ہے۔اسلام کے عائلی نظام میں بہو کو بہت سے حقوق دیے گئے ہیں ان میں سب سے پہلا حق اس کا علیحدہ رہائش کا حق ہے۔اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ شادی کے بعد اسے علیحدہ رہائش فراہم کی جائے۔ہمارے نبی ﷺ نے اپنی ہر زوجہ کو علیحدہ رہائش فراہم کر رکھی تھی قرآن مجید سے بھی بہو کے لیے علیحدہ رہائش کا حق ثابت ہوتا ہے قرآن مجید کی سورہ نور کی آیت جسے آیت استیذان بھی کہا جاتا ہے،اس سے بہو کے لے علیحدہ حق رہائش کا صاف پتہ چلتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ (2)۔

،،ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انھیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تینوں وقت تمہاری (خلوت) اور پردہ کے ہیں۔،،

مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے بہو کو دیور، جیٹھ، اور نندوئی سے پردے کی جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ بہو کے علیحدہ رہائش کے حق کو نہ صرف تسلیم کیا جائے بلکہ ساس سسر کی طرف سے خوش دلی کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے۔ بہو کا خیال رکھنے سے بیٹے کی زندگی بھی خوشگوار رہتی ہے،اور اپنا دل بھی پر سکون رہتا ہے۔ساس سسر اگر یہ دیکھیں کہ ان کے بیٹے کی طرف سے ان کی بہو کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ بیٹے سے بہو کا حق دلوائیں ،اس لیے کہ وہ عموماً اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ وہ بہو کی محرومیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں بلکہ مسلمان ساس سسر کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ان کا بیٹا اپنی اہلیہ کے لیے بہترین خاوند ثابت ہو تا کہ دنیا و آخرت میں انھیں اس حوالہ سے ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

1۔ مبسوط، ج5ص223:224۔

2۔النور58۔

،،تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہو، اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہوں۔،،(1)۔

ساس سسر کی یہ ذمہ داری ہے وہ اپنے فرض سرپرستی کی رو سے بیٹے سے بہو کے حقوق دلوائیں اور وقتاً فوقتاً اپنی بہو سے یہ دریافت کرتے رہا کریں کہ آیا ان کا بیٹا اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں کر رہا۔ اور اگر تفتیش پر بیٹے کی زیادتی ثابت ہو تو اس کے فوری ازالہ کی کوشش کریں۔ امام بخاریؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے۔

،،عبداللہ بن عمرو بن عاص (رض) روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے ایک اچھے خاندان والی عورت سے میرا نکاح کر دیا تھا اور میرے والد اپنی بہو سے (اکثر اوقات) میرا حال پوچھتے رہتے تھے، وہ جواب دیتی کہ وہ ایک اچھا نیک آدمی ہے، جب سے میں آئی ہوں، میرے بچھونے پر قدم بھی نہ رکھا اور نہ میرے قریب آئے۔ جب ایک عرصہ گذر گیا تو میرے والد نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ قصہ بیان کیا، آپ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ، چنانچہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیجا گیا، آپ نے پوچھا تم روزے کس طرح رکھتے ہو، میں نے کہا مسلسل، پھر فرمایا قرآن کس طرح ختم کرتے ہو، میں کہا ہر رات، تو آپ نے فرمایا ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرو اور ایک ماہ میں قرآن مجید ختم کیا کرو، میں نے عرض کیا مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ایک ہفتہ میں تین روزے رکھ لیا کرو، میں نے عرض کیا مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے، ہمیشہ دو دن افطار کیا کرو اور ایک دن روزہ رکھا کرو، عرض کیا مجھ میں اس بھی زیادہ طاقت ہے فرمایا اچھا داؤد (علیہ السلام) کی طرح روزے رکھا کرو جو سب سے افضل ہے، یعنی ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور قرآن سات روز میں ختم کیا کرو (عبداللہ کہتے ہیں) کاش میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رخصت منظور کر لیتا کیوں کہ اب میں بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہوں اور مجھ میں ویسی طاقت نہیں رہی، بڑھاپے میں اپنے کسی گھر والے کو دن میں ساتواں حصہ قرآن سنا دیا کرتے تھے تا کہ اس کا پڑھنا رات میں آسان ہو جائے اور جب بہت کمزور ہو جاتے اور طاقت حاصل کرنا چاہتے تو کئی روز تک روزہ نہ رکھتے، پھر شمار کر کے اتنے روزے رکھ لیتے کہ کہیں کوئی باقی نہ رہ جائے، جس کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے میں نے عہد کیا تھا (امام بخاری) کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے تین راتوں اور پانچ راتوں میں ختم قرآن بیان کیا ہے اور زیادہ روایتیں سات راتوں کی ہی پائی جاتی ہیں۔،،(2)۔

1۔ سنن ترمذی، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ، ج5 ص709، حدیث 3895۔

2۔ صحیح بخاری، باب فی کم یقرا القرآن، ج6 ص196، حدیث 5052۔

بہو کا یہ بھی حق ہے کہ ساس سسر کسی اختلافی معاملے میں یکطرفہ طور پر بیٹے کی تائید و حمایت کرنے کے بجائے معاملے کی تہہ تک پہنچیں اور جس کی غلطی ہو اسے متنبہ کریں۔ ایسا کرنا درست نہیں کہ بیٹے کی بے جا حمایت کی جائے اور بہو کو کمزور سمجھ کر دبا لیا جائے اور اس کے ساتھ ناانصافی کی جائے۔ اسی طرح اگر ساس سسر یہ دیکھیں کہ ان کی بیٹی اور بہو کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہو رہا ہے تو بیٹی کی بے جا حمایت اور بیٹے کو بیوی کے خلاف بھڑکانے کے بجائے انصاف کا دامن تھام کر رکھیں۔ انصاف کرنا نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے سود مند ہوگا بلکہ اس سے بہو کے دل میں بھی ان کے احترام اور خدمت کے جذبہ میں اضافہ ہوگا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (1)۔

،،اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں عزیزوں کے۔،،

بہو کے حقوق و حدود اور ان کا بے جا استعمال:

عصر حاضر میں ساس اور بہو کے جھگڑوں نے ہمارے عائلی نظام کو بری طرح متاثر کر رکھا ہے۔ اس کی وجوہات میں جہاں ساس کی طرف سے اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے وہیں اس کے ساتھ بہو کی طرف سے بھی اپنے حقوق کا بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی بہت سی شکلیں موجود ہیں۔ ان کی سب سے بھیانک صورت یہ ہے کہ شادی کے بعد بہو ساس سسر کے پیار اور شفقت کا بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کوشش کرتی ہے کہ وہ خاوند کو اپنی مٹھی میں کر لے، اس اقدام کی وجہ سے بعض اوقات ماں باپ کے حقوق متاثر ہونے لگتے ہیں۔ ایسا اقدام یا اس کی کوشش ساس سسر کی طرف سے حاصل حقوق کا بے جا استعمال ہے اور حدیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

،،جو کوئی ماں اور اس کے بیٹے کے مابین جدائی کروائے تو اللہ اس کے اور اس کے محبوب بندوں کے درمیان قیامت کے روز جدائی کرا دے گا۔،،(2)۔

ہمارے معاشرے بہت سی بہوویں ساس سسر کی خدمت میں کوتاہی کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ ان کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اخلاقی فرض ضرور ہے۔ ساس سسر کی خدمت نہ کرنا بھی ساس سسر کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانا اور اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ ساس سسر کی خدمت تو عہد رسالت میں بھی بہوویں کرتی رہی ہیں۔

1۔ النسا 135۔

2۔ سنن ترمذی، باب فی کراہیۃ ان یفرق بین الاخوین، ج 3 ص 572، حدیث 1283۔

،،حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک جو ابو قتادہ (رض) کے بیٹے (عبد اللہ) کے نکاح میں تھیں وہ فرماتی ہیں کہ ابو قتادہ (رض) میرے پاس آئے تو میں نے ایک برتن میں ان کے وضو کے لئے پانی رکھا۔ اتنے میں ایک بلی آئی اور اس میں سے پینے لگی تو انہوں نے برتن اس کے لئے جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے پانی پی لیا، کبشہ کہتی ہیں انہوں نے دیکھا کہ میں ان کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ بولے اے بھتیجی کیا تم کو اس بات سے حیرت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں اس پر ابو قتادہ (رض) نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے بلی کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ وہ ہر وقت تمہارے گھروں میں آنے والی ہے۔،،(1)۔

رسول اکرم ﷺ نے اولاد کے لیے اس کے ماں باپ کو اس کی جنت یا جہنم قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی خدمت کرنا، اطاعت کرنا اور ہر حال میں انھیں راضی رکھنا لازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیوی کے لیے اس کے شوہر کو اس کی جنت یا جہنم کہا گیا ہے۔ گویا پورے خاندان والدین (ساس اور سسر) بیٹا (شوہر) بیوی (بہو) کو باہم اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کیا گیا ہے کہ ان کے دنیاوی اور اخروی معاملات ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں۔ بیٹا اپنے والدین کی خدمت کا پابند ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی خدمت کرنے کی پابند ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بیٹا تو دن رات والدین کی خدمت پر کمربستہ رہے اور بیوی،، شرعاً سسرال کی خدمت لازم نہیں،، کے فتوی کی چادر اوڑھ کر مزے کی نیند سوئی رہے۔ اس سے نہ صرف ساس سسر کی زندگی تلخ ہو گی بلکہ خود بیوی اور شوہر کے درمیان ایک مستقل جھگڑے کی صورتحال پیدا ہو جائے گی۔

بھابھی، بہنوئی کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بھابھی کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بھائی کی بیوی کو شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ قریب قریب بھائی والے حقوق حاصل ہیں۔ اگر وہ بڑے بھائی کی بیوی ہے تو اسے بڑے بھائی کی طرح عزت واحترام کا حق حاصل ہے۔ اور اگر وہ چھوٹے بھائی کی بیوی ہے تو اسے چھوٹے بھائی کی طرح کے قریباً سبھی حقوق حاصل ہیں۔ اور خاوند کی بہنوں (نندوں) کی طرف سے بھی اسے بہن بھائی والے حقوق حاصل ہیں دیور اور جیٹھ کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے بھابھی کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کریں بلکہ بھائی کے ساتھ حق قرابت کی وجہ سے اس کے دیگر حقوق بھی ادا کریں۔ خاوند کے بہن بھائیوں پر بھابھی کے حوالہ سے وہ تمام حقوق عائد ہوتے ہیں جو ایک قرابت دار کے دوسرے پر ہوتے ہیں۔ ان میں ادب واحترام کرنا، ہدیہ دینا، بیمار پرسی اور تیمارداری کرنا، دعوت قبول کرنا اور غمی خوشی میں شریک ہونا اور اس کے مہمان بن کر آنے کی صورت میں خوش دلی کے ساتھ اس کی حسب گنجائش مہمان نوازی کرنا وغیرہ شامل ہے۔ اس کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے بچوں کے دل میں چچی تائی

1۔ ابوداؤد، باب سور الھرۃ، ج1 ص19، حدیث 75۔

یا ممانی ہونے کی حیثیت سے اس کا احترام بٹھایا جائے۔ کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنے بچوں کو اس کے بچوں سے دور نہ کیا جائے تا کہ ان کے درمیان قطع رحمی نہ ہو جائے۔ اگر بھابھی بیوہ ہو جائے تو اس کے حوالہ سے ذمہ داریاں اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں اس کے بچوں کی کفالت میں اس کی مدد کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں اور اس کی وراثت پر قابض نہ ہوا اور اعتبار سے ان کا سہارا بن جانا بھی شامل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (1)۔

،،اور لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے اگر کمزور اولاد چھوڑتے تو ان کے متعلق ڈرتے، پس لازم ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔،،

مشترکہ خاندانی نظام میں بھابھی کے حوالہ سے ذمہ داریاں اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ کہ اس کے خاوند کو کسی بھی طرح اس کے خلاف بدظن نہ کیا جائے، اور نہ ہی اکیلے اس بیچاری پر گھریلو کام کاج کی ذمہ داری ڈالی جائے۔ اس بارے میں غیر شادی شدہ نندوں کو خود اور شادی شدہ دیوروں اور جیٹھوں کو اپنی بیویوں کے ذریعہ اس کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گھر میں اس انداز سے آمد و رفت رکھنا کہ اس کی وجہ سے بھابھی کا شرعی پردہ متاثر نہ ہو۔ اس لیے کہ دیور اور جیٹھ سے پردہ بھابھی کا حق بھی ہے اور اس کا فرض بھی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

عورتوں کے پاس جانے سے بچو انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیور کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دیور تو موت ہے،،۔(2)۔

بھابھی کے حقوق و حدود اور ان کا بے جا استعمال:

ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں بھابھی کی طرف سے اپنے حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی بہت سی شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قبیح صورت یہ کہ بھابھی دیور یا جیٹھ کی اس سے پردہ کی خواہش کے باوجود یہ اس سے پردہ نہیں کرتی۔ اس سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ بھابھی سے پردہ منصوص حکم ہے، جس کی مخالفت درست نہیں۔ اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ بھابھی کے لیے سسرالی رشتوں میں ساس اور سسر کے علاوہ کوئی بھی محرم نہیں ہوتا۔ اگر خاوند کے بہن بھائی ماں کی طرف سے یتیم (نابالغ) ہوں تو ان کی کفالت

1۔النساء9۔

2۔ صحیح مسلم، باب الخلوة بالاجنبیہ والدخول، ج4ص1711، حدیث 2172۔

و نگرانی اور دیکھ بھال بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ بہت سے گھرانوں میں بھابیاں اپنے اس اخلاقی فرض سے پہلو تہی کرتی ہیں۔ یہ بھی اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ چھوٹے اور یتیم دیوروں اور نندوں کی پرورش اور نگہداشت عہد رسالت میں بھی بھابیاں سر انجام دیتی رہتی تھیں۔

،، حضرت جابر بن عبداللہ (رض) سے روایت ہے کہ عبداللہ انتقال کر گئے اور نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا اے جابر! تو نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کنواری یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیوہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تو نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی کہ تم اسے کھیلاتے اور وہ تمہیں کھیلاتی یا فرمایا تم اسے ہنساتے اور وہ تمہیں ہنساتی میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ میرے والد عبداللہ فوت ہو گئے اور انہوں نے نو یا سات بیٹیاں چھوڑیں ہیں اور میں نے نا پسند کیا کہ میں ان جیسی ایک اور عورت لے آؤں اور میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ایک ایسی عورت لاؤں جو ان کی خبر گیری کرے اور خدمت بھی کرے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تیرے لئے برکت دے یا مجھے فرمایا تیرے لئے بھلائی ہو۔،، (1)۔

بہنوئی کے حقوق وحدود، معاصر مسائل:

بہنوئی کا محترم رشتہ بہن کے نکاح کے باعث وجود میں آتا ہے۔ خاوند اور بیوی زندگی کے ہر قدم، موڑ اور ہر مرحلے پر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ اس لیے معاشرتی روابط میں دونوں کا اشتراک اتفاق اور تعاون ضروری ہے، اس لیے مختلف رشتوں کی ذمہ داریاں دونوں مل کر ہی ادا کر سکتے ہیں۔ رحم کے رشتوں میں بہن کا رشتہ سب سے زیادہ قریبی ہے۔ بہن جس کے ساتھ مل کر کھیلے، پلے بڑھے ایک ہی خون ایک ہی رنگ ایک ہی نسب اور ایک ہی دودھ سے نشو و نما پائی، ان میں محبت قرابت اور اخوت فطری ہے۔ باہم ملاقات، محبت اور ہمدردی، ایثار و تعاون ایک دوسرے کے بچوں کے ساتھ پیار ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا اور باہمی خاندانی معاملات میں مشاورت ضروری امر ہیں۔ اور ان تعلقات کو استوار رکھنے میں بہنوئی کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔ اس کی ایما اور اجازت سے ہی بہن اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ مذکورہ نوعیت کے تعلقات استوار رکھ سکتی ہے۔ اسلام کے عائلی نظام میں بہنوئی کو سالے اور سالیوں کی جانب سے بھائی کے سے حقوق حاصل ہیں۔ البتہ سالی اس کے لیے غیر محرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حدود و حجاب میں

1۔ صحیح مسلم، باب استحباب نکاح البکر، ج2 ص1087۔

رہتے ہوئے بہنوئی اگر بڑا ہے تو اس کا بڑے بھائی کی طرح احترام کرنا، اور اگر چھوٹا ہے تو چھوٹے بھائیوں کی طرح اس کے ساتھ شفقت سے پیش آنا حسن اخلاق اور بہن کے مقدس رشتے کے احترام کی علامت ہے۔ قلبی طہارت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ بہنوئی کو بھائی کی طرح سمجھا جائے۔ بہنوئی سے پردہ فرض ہے۔ محرم وہی رشتے ہیں جن کو اللہ تعالی نے ابدی محرم قرار دیا ہے۔ اگر بہنوئی محرم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے اپنے سالیوں کے روبرو آنے کے متعدد واقعات ملتے۔ آپ ﷺ کی سالیوں کی تعداد تقریبا تیرہ تھی لیکن ایسا کوئی واقعہ بھی نہیں ملتا جو سالیوں کے بہنوئی سے پردہ نہ کرنے پر دلالت کرتا ہو۔

،، حضرت اسماء بنت ابی بکر (رض) سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ مقام اعرج پر پہنچے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اترے پس ہم لوگ بھی اتر گئے حضرت عائشہ (رض) حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھی اور میں (اپنے والد) ابو بکر (رض) کے پس بیٹھی۔،، (1)۔

اگر بہنوئی سے پردہ فرض نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی صاحبزادیوں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ کی زندگیوں سے چنکلیے واقعات یا کلیے واقعہ ہی ایسا ملتا جو ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان بات چیت یا کھلے منہ سامنے آنے کی دلیل ہوتا۔ حالانکہ حضرت ابوالعاص ان کے بہنوئی اور خالہ کے بیٹے تھے، اور حضرت علی ان کے والد محترم کے چچازاد اور ان کے گھر میں ہی پلے بڑھے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی سالیاں پردے کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر تشریف لاتی تھیں اور آپ ﷺ ان کے آنے پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔

،، حضرت خدیجہ کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آنے کی اجازت مانگی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت خدیجہ کا اجازت مانگنا یاد آگیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی وجہ سے خوش ہوئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے اللہ یہ تو ہالہ بنت خویلد ہیں۔،، (2)۔

بہنوئی کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کے اگر اس کے بیٹے یا بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے یا بیٹی کا رشتہ مناسب لگے تو ان کے ساتھ نیا رشتہ بھی قائم کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بڑی بیٹی زینب کا نکاح ان کے خالہ زاد ابوالعاص سے کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیوی کے بہنوئی کے ساتھ مزید رشتہ داریاں قائم کرنا بھی دراصل سالوں اور سالیوں کے حقوق کی علامت ہے۔

1۔ سنن ابوداؤد، باب المحرم یؤدب غلامہ، ج2 ص163، حدیث 1818۔

2۔ صحیح مسلم، باب فضائل خدیجہ ام المؤمنین، ج4 ص1889، حدیث 2437۔

بہنوئی کے حقوق وحدود اور ان کا بے جا استعمال:

آج کل ہمارے معاشرے میں مختلف گھرانوں میں بہنوئی کی طرف سے اپنے حقوق سے تجاوز اور ان کے بے جا استعمال کی بہت سی صورتیں سامنے آرہی ہیں۔اس کی سب سے زیادہ پیش آمدہ صورت یہ ہے کہ بہنوئی سالیوں سے پردہ کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر کہیں سالیاں پردہ کرنا بھی چاہیں تو بہنوئی اپنا حق سمجھتے ہوئے انھیں ایسا کرنے نہیں دیتے،اسی طرح سالوں کی بیویوں سے پردے کا اہتمام بھی نہیں کیا جاتا یہ اپنے حقوق سے تجاوز ہے اس لیے کہ سالیوں سے پردے کے احکامات منصوص ہیں جن کی خلاف ورزی درست نہ ہونے کے ساتھ اپنے حق سے تجاوز بھی ہے۔

بہت سے گھرانوں میں بہنوئی اپنی سالیوں کے حوالہ سے اپنی اس ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے کہ سالی کے فوت ہوجانے کی صورت میں بعض اوقات ان کی بیویوں کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرحومہ بہن کے نابالغ بچوں کی پرورش کریں،یہ بہنوئی کی جانب سے اپنے حقوق سے تجاوز اور شریعت کے منافی ہے۔اس لیے کہ کسی کو اس کے فرض کی ادائیگی سے منع کرنا بھی تعدی (حق سے تجاوز) ہے۔ بیوی کی بہنوں کا یہ حق ہے کہ اگر وہ فوت ہوجائیں اور ان کے چھوٹے بچوں کی نانی،دادی یا بڑی بہن موجود نہ ہو تو اپنی بیوی (بچوں کی خالہ) کو اجازت دی جائے کہ وہ مدت حضانت میں اس کے بچوں کی پرورش کرے۔البتہ اس دوران ان بچوں کے اخراجات ان کے اپنے باپ کے ذمہ ہوں گے۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ماں کے نہ ہونے یا اپنے حق حضانت سے دستبردار ہوجانے کی صورت میں نانی دادی اور بڑی بہن کے بعد حق حضانت خالہ کو حاصل ہے۔(1)۔

احادیث میں آنحضرت ﷺ کے عمرۃ القضاء کے واقعہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر واپس جارہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ۔

،، حضرت حمزہ کی صاحبزادی چچا چچا پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے چلی تو انہیں حضرت علی (رض) نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ سے کہا کہ اپنے چچا کی صاحبزادی کو لے لو،کہ میں نے اسے لے لیا ہے (مدینہ پہنچ کر) علی،زید اور جعفر نے جھگڑا کیا،حضرت علی (رض) نے کہا کہ میں نے ہی (پہلے) اسے لیا ہے اور یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے جعفر نے کہا،یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے زید نے کہا یہ میری بھتیجی ہے،رسول اللہ ﷺ نے (حضرت جعفر کے حق میں) اس کی خالہ کی وجہ سے فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔،، (2)۔

1۔ أحکام الأحوال الشخصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، باب الحضانۃ، ج1ص207۔

2۔ صحیح بخاری، باب عمرۃ القضاء، ج5ص141، حدیث 4251۔

نتائج وسفارشات

نتائج تحقیق

دور حاضر میں خاندانی مسائل صرف مغربی معاشروں کا ہی مسئلہ نہیں ہیں بلکہ مشرقی معاشرے بھی عائلی حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کے سبب بری طرح متاثر ہو کر شکست وریخت کا شکار ہونے جارہے ہیں۔ چنانچہ پیش آمدہ عائلی مسائل پاکستان کے تمام علاقوں میں معمولی فرق کے ساتھ یکساں نوعیت کے ہی ہیں۔ اس کے باعث زوجین میں باہمی طور پر حسن سلوک کے رویوں میں کمی آتی جارہی ہے۔ اور بہت سے جوڑے محض مجبوریوں کے باعث ازدواجی زندگی کا سفر رواں دواں رکھے ہوئے ہیں جس میں کوئی رعنائی باقی نہیں ہے۔ زوجین کا ازدواجی سفر ان کے باہمی مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر افراد کی وجہ سے بھی متاثر ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ زوجین باہم مطمئن بھی ہوتے ہیں لیکن دیگر اہل خانہ اس اطمینان کے خاتمے کا باعث بنتے ہیں۔

عائلی زندگی کے بارے میں تربیت کا فقدان ہے اور عائلی حقوق کے بارے میں ملکی قوانین سے ناواقفیت اور ان پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ نیز ملکی قوانین بھی اس حوالہ سے جامع نہیں ہیں۔ زوجین اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے واقفیت نہیں رکھتے، ان پڑھ اور کم تعلیم یافتہ لوگ تو کجا اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی اس بارے میں بہت کم آگہی رکھتے ہیں۔ بہت سے جوڑے مکمل شرعی وقانونی واقفیت کے باوجود بھی ان احکام پر عمل نہ کر کے اپنی ازدواجی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی برباد کر بیٹھتے ہیں۔

اس موضوع پر تحقیق سے مندرجہ ذیل اہم نتائج سامنے آتے ہیں۔

1۔ خاوند کی جانب سے حق قوامیت کا بے جا استعمال بہت بڑھ رہا ہے۔ بہت سے خاوند اس حق کو بیوی کے استحصال کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ قوام کی حیثیت سے وہ یہ معنٰی نکال لیتے ہیں کہ انھیں حاکمانہ اختیارات حاصل ہیں، اس لیے وہ بیوی کو اپنی رفیقہ حیات سمجھنے کے بجائے اسے لونڈی سمجھ کر زبان اور ہاتھ کے آزادانہ استعمال کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

2۔ زوجین کی طرف سے ایک دوسرے کے ازدواجی حقوق کی ادائیگی میں راہ اعتدال سے ہٹ کر افراط وتفریط برتا جارہا ہے، اس کے نتیجے میں بہت سے گھرانوں میں زوجین ایک دوسرے کی جنسی خواہشات پوری نہیں کرتے یا دوسرے کی چاہت سے زیادہ اپنی خواہشات کے پورا کرنے پر بضد رہتے ہیں۔

3۔ خاوندوں کی جانب سے اپنے حفظ ناموس کے حق کا بے جا استعمال اور بعض صورتوں میں اس سے تجاوز بھی بہت سے مسائل کا سبب ہے۔ اس کے نتیجے میں بلاوجہ غیرت واشتعال دکھاتے ہوئے ذرا ذرا سے شک پر بیویوں کو قتل کر دیا جاتا ہے اس

کے برعکس کچھ شوہر عزت وغیرت کے معاملے میں اتنا ڈھیلا پڑ جاتے ہیں کہ انھیں دیوث و بے غیرت کہنا بے جا نہیں۔ یہ دو متضاد رویے بھی بہت سے مسائل کا باعث ہیں۔

4۔ خاوند کی جانب سے بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنے کے بجائے مشترکہ خاندانی نظام میں رہنے پر مجبور کرنے سے بھی متعدد مسائل جنم لیتے ہیں۔ حالانکہ الگ رہائش بیوی کا حق ہے۔

5۔ خاوند کی طرف سے بیوی کو امور خانہ داری اور اپنے والدین و بہن بھائیوں کی خدمت پر مجبور کرنا بھی خانگی زندگی کو متاثر کرنے کا باعث ہے۔ اپنے سسرال کی خدمت بیوی کی قانونی نہیں اخلاقی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس ذمہ داری کو اس پر قانوناً لاگو کرنے کی کوشش اپنے حق کا بے جا استعمال بن جاتی ہے۔

6۔ زوجین کے درمیان حسن سلوک ہی اس رشتے میں مؤدت و رحمت کا باعث بنتا ہے۔ آج کل حسن سلوک کا فقدان ہے جس کی وجہ سے زوجین کے درمیان دوریاں زیادہ ہو رہی ہیں۔ زوجین میں سے ہر ایک اپنے حسن سلوک کے حق کا بے جا استعمال کرتے ہوئے اپنے لیے تو حسن سلوک کا متقاضی ہے لیکن دوسرے کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں۔ اسی طرح بہت سے زوجین دوسرے کی جانب سے حاصل حسن سلوک کے حق کا بے جا استعمال کرتے ہوئے منہ زور، خود سر و نافرمان ہو جاتے ہیں۔

7۔ بہت سے گھرانوں میں بیوی یا اس کے سرپرستوں کی جانب سے حق مہر کے بے جا استعمال کے باعث بھی خانگی زندگی خطرات سے دوچار ہے۔ نکاح کے وقت مہر کی بھاری رقم لکھوائی جاتی ہے، یہ بھاری رقم اکثر اوقات خاوند کے ساتھ ساتھ بیوی کے لیے بھی باعث مصیبت بن جاتی ہے، یہ گھریلو جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔ تعلقات خراب ہونے کے باوجود شوہر کبھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا کیونکہ اس طرح اسے مہر کی بھاری رقم ادا کرنا پڑتی ہے، نتیجتاً ناخوشگوار شادی جاری رہتی ہے۔

8۔ بیویوں کی جانب سے حق نفقہ سے تجاوز بڑھتا جا رہا ہے وہ یوں کہ بیشتر گھرانوں میں بیویاں اپنے حق نفقہ کو اپنی خواہشات کے مطابق سمجھتی ہیں نہ کہ خاوند کی استطاعت کے مطابق۔ یہ اس حق سے تجاوز ہی نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کے لیے بڑا خطرہ بھی ہے۔ حالانکہ شرعاً بیوی کا نفقہ خاوند کی مالی استعداد پر موقوف ہے۔

9۔ بیوی کا حق رہائش بھی خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف ہے لیکن بہت سے گھرانوں میں بیویاں مرد کی مالی حیثیت سے زیادہ درجے کے گھر کا مطالبہ کر کے اس حق کا بے جا استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح حق رہائش کرائے کے گھر سے بھی ادا ہو جاتا ہے لیکن بہت سی بیویاں خاوند کی استطاعت نہ ہونے کے باوجود ذاتی گھر کا مطالبہ کر کے حق رہائش سے تجاوز کرتی ہیں۔ 10۔ بہت سے گھرانوں میں بیویاں اپنے حق تفریح سے تجاوز اور اس کا بے جا استعمال کرتے ہوئے خاوند کی مالی استطاعت سے زیادہ

آؤٹنگ وہوٹلنگ اور شاپنگ کی شوقین بن جاتی ہیں۔ جائز اور وسائل کے اندر تفریح مہیا کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے۔ البتہ غیر شرعی تفریح اور خاوند کے وسائل سے بڑھ کر اس کا مطالبہ درست نہیں ہے اس لیئے کہ نان نفقہ جیسی بنیادی ضرورت حسب خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف ہے تو یہ حق تو بدرجہ اولی اس پر موقوف ہوگا اور اس سے بڑھ کر مطالبہ درست نہیں ہوگا۔

11۔ اولاد کی جانب سے اپنے حق نکاح کا بے جا استعمال بہت عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے والدین کی عزت داؤ پر لگ جاتی ہے۔ بیٹے اور بیٹی کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند کی شادی کریں، لیکن پسند کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً خفیہ آشنائی کرکے محبت و معاشقے قائم کرکے شادی کی راہ ہموار کرنا۔ یہ حق نکاح کا بے جا استعمال ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ مسلمان معاشرے کے افراد کو ایسی اخلاق سوز حرکتوں سے منع کیا گیا ہے۔

12۔ بہت سے گھرانوں میں بڑا بیٹا حق وراثت سے تجاوز کرتے ہوئے ترکہ کی شرعی تقسیم کرنے کے بجائے خود اس پر قابض ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے چھوٹے غیر بالغ بہن بھائی چونکہ سن شعور کو نہیں پہنچے ہوتے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس ترکہ کو اپنی من مرضی سے استعمال کرتا رہتا ہے اور اگر تقسیم کرے بھی تو غیر منصفانہ کرتا ہے یہ حق وراثت سے تجاوز ہے۔

13۔ کئی گھرانوں میں بالغ اور تعلیم یافتہ بچے اور بچیاں اپنے ساتھ والدین کی جانب سے برابری والا رویہ نہیں پاتے اور دیکھتے بوجھتے خاموش رہ کر والدین کو اس ظلم سے منع نہیں کرتے یہ حق عدل و انصاف کا بے جا استعمال ہے کیونکہ اپنے حق کا نہ لینا بھی حق کا بے جا استعمال ہوتا ہے۔

14۔ عصر حاضر میں اکثر گھرانوں میں بیٹیوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ عاقل بالغ بیٹی کا اپنے حق کی وصولی کے لیے جد وجہد نہ کرنا حق وراثت کا بے جا استعمال ہے۔

15۔ حق نفقہ کا بے جا استعمال کرتے ہوئے بہت سے گھرانوں میں ماں باپ بیٹوں کی مہینے بھر کی آمدنی کی پائی پائی کا حساب کرکے اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کمانے والے بیٹے کو اس کا خرچ بھی خود دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ پوری آمدنی ماں باپ کے حوالے کرنے کے بعد جب بیٹا اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کے لیے ماں باپ سے کوئی مطالبہ کرتا ہے، یا بہو اپنے خاوند کی آمدنی میں سے اپنے کسی جائز حق کا مطالبہ کرتی ہے تو جواب میں ماں باپ کی طرف سے ملنے والا جواب یا ان کا رویہ خانگی جھگڑوں کا باعث بن جاتا ہے۔ ماں باپ کا ایسا طرز اپنے حق نفقہ کا بے جا استعمال ہے، اس لیے کہ یہ اپنا نفقہ لینے کی تو حقدار ہیں لیکن بہو اور پوتے پوتیوں کے نفقہ میں قدغن لگانا ان کا حق نہیں ہے۔

16۔ حسن سلوک تمام بہن بھائیوں کا باہمی حق ہے،اس لیے سب کو اس کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہیں۔ہمارے ہاں بعض جگہوں پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے بہن بھائی اپنے دوسرے بہن بھائیوں سے تو حسن سلوک کے منتظر اور شوقین نظر آتے ہیں مگر حسن سلوک کے حوالہ سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتے۔یہ اس حق کا بے جا استعمال ہے۔

17۔ بعض گھرانوں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ساس سسر اپنی بیٹی سے یا بیٹی کے ذریعہ داماد سے ایسے مطالبات کرتے رہتے ہیں جو اس کی استطاعت میں نہیں ہوتے اور وہ انھیں پورا نہ کر سکے تو اس کی بیوی کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات یہ طلاق کا سبب بن جاتا ہے۔یہ ساس سسر کی طرف سے مالی معاونت کے حق کا بے استعمال ہے۔اس لیے کہ اپنی بیوی کے حق نفقہ جیسی بنیادی ذمہ داری کو بھی خاوند کی مالی حیثیت پر موقوف رکھا گیا ہے تو اس طرح کی قانونی ذمہ داریوں میں تو بطریق اولی اس کی مالی حیثیت کو مد نظر رکھا جائے گا۔

18۔ ساس سسر کی خدمت بہو کی اخلاقی ذمہ داری ہے نہ کہ قانونی اور شرعی ذمہ داری لیکن ہمارے معاشرے کے اکثر گھرانوں میں اس اخلاقی ذمہ داری کو اس طرح عورت پر لازم کر دیا گیا ہے کہ گویا وہ ملازمہ خادمہ ہے۔اور وہ بے چاری سسرال کی خدمت میں ایسی مصروف رہتی ہے کہ شادی کے بنیادی مقاصد یعنی شوہر کو تسکین دینے کو پورا نہیں کر پاتی۔ سسرال کی طرف سے ایسا رویہ اس اخلاقی حق کا بے جا استعمال ہے اور بہت سی صورتوں میں اس حق سے تجاوز کے زمرے میں بھی آجاتا ہے۔قانونی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بیوی پر یہ فرض ہے کہ اپنے شوہر کی ہر ممکن اطاعت اور خدمت کرے اس کی راحت اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔لیکن سسرال کی خدمت اس کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔اسلام تو قانونی حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی اجازت نہیں دیتا کجا اخلاقی حقوق کو قانونی سمجھ لینا اور ان سے تجاوز اور ان کا بے جا استعمال کرنے لگنا۔

19۔خاوند کے بہن بھائیوں کی خدمت اور نگہداشت بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے نہ کہ قانونی اور شرعی۔ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں اسے بیوی کی قانونی اور شرعی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔یہ اس اخلاقی حق کا بے جا استعمال ہے۔کیونکہ اگر یہ خدمت بیوی کی قانونی ذمہ داری ہوتی تو نبی کریم ﷺ حضرت جابر کی بات سن کر ضرور فرماتے کہ خواہ کنواری سے کرو یا بیوہ و مطلقہ سے تمہاری بہنوں کی خدمت کرنا تو اس پر لازمی ہے۔اس حدیث سے تو اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرت جابر نے اپنی مجبوری کی بنا پر اپنے سے کم حیثیت والی عورت سے شادی کی تاکہ وہ آپ کی بہنوں کے کام آسکے۔اگر یہ خدمت بیوی پر لازم ہوتی تو پھر کسی بھی عورت سے شادی کی جا سکتی تھی۔

20۔بیوی کے بہن بھائی بھی حسن سلوک ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں بہت لوگ اپنے اس حق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی حدود سے تجاوز کرنے لگتے ہیں۔اس کے نتیجے میں نہ صرف بہنوئی کے ساتھ ان کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں،بلکہ ان کی بہن

کی خانگی زندگی بھی مشکلات سے دوچار ہونے لگتی ہے۔اس کی کلیہ صورت جس کا صدور زیادہ دیکھنے میں آتا ہے وہ یہ کہ بہن بھائی گھریلو معاملات میں نہ صرف یہ کہ مداخلت کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، بلکہ حق حسن سلوک کی رو سے اسے اپنا حق بھی باور کرتے ہیں۔ اگر بہن کی طرف سے اپنے خاوند کے خلاف کوئی شکلیہ آئے تو بہنوئی کی بات سنے بغیر یا اس کی بات کو سنی ان سنی کر کےکلیہ طرفہ اور جانبدارانہ رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اس حق کا بے استعمال اور بہنوئی کی شرافت سے نا جائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔

21۔ بد قسمتی سے ہمارے بہت سے گھرانوں میں سسرال کے ساتھ حسن سلوک کو کلیہ عیب اور زن مریدی شمار کیا جاتا ہے۔ اس غلط انداز فکر کی وجہ سے بہت سے داماد اپنے سسرال کی جان . سے حاصل حقوق کا بے جا استعمال شروع کر دیتے ہیں، اس کی کلیہ زیادہ پیش آنے والی صورت یہ ہے کہ داماد منہ زور اور خودسر ہو کر ساس سسر کے احترام میں ہی کمی شروع کر دیتے ہیں یہ شرافت سے نا جائز فائدہ اٹھانے کے علاوہ اپنے لیے سسرال کی جان . سے حاصل حق سے تجاوز بھی ہے۔

22۔ بہو پر ساس سسر کے حقوق کلیہ نجلیہ ۔ نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اولاد کے لیے اس کے ماں باپ کو اس کی جنت یا جہنم قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی خدمت کرنا ، اطاعت کرنا اور ہر حال میں انھیں راضی رکھنا . ہے۔اس کے ساتھ ہی بیوی کے لیے اس کے شوہر کو اس کی جنت یا جہنم کہا گیا ہے۔ گویا پورے خاندان والدین (ساس اور سسر) بیٹا (شوہر) بیوی (بہو) کو باہم اس طرح کلیہ دوسرے کے ساتھ پیوست کیا گیا ہے کہ ان کے دنیاوی اور جز وی معاملات کلیہ دوسرے سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں۔ بیٹا اپنے والدین کی خدمت کا پابند ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی خدمت کرنے کی پابند ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بیٹا تو دن رات والدین کی خدمت پر کمربستہ رہے اور بیوی ،،شرعا سسرال کی خدمت مستحب . نہیں،، کے فتویٰ کی چادر اوڑھ کر مزے کی نیند سوئی رہے۔ ہمارے معاشرے میں بہو کی جان . سے ایسے رویے زیادہ سامنے آرہے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ساس سسر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے بلکہ خود بیوی اور شوہر کے درمیان کلیہ مستقل جھگڑے کی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔

23 ۔ ہمارے معاشرے کے بہت سے گھرانوں میں بھابھی کی طرف سے اپنے حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی بہت سی شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قبیح صورت یہ کہ بھابھی دیور یا جیٹھ کی اس سے پردہ کی خواہش کے باوجود یہ اس سے پردہ نہیں کرتی۔ اس سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ اپنے حقوق کا بے جا استعمال ہے اس لیے کہ بھابھی سے پردہ منصوص حکم ہے۔

24۔ آج کل ہمارے معاشرے میں مختلف گھرانوں میں بہنوئی کی طرف سے اپنے حقوق سے تجاوز اور ان کے بے جا استعمال کی بہت سی صورتیں سامنے آرہی ہیں۔ اس کی سب سے زیادہ پیش آمدہ صورت یہ ہے کہ بہنوئی سالیوں سے پردہ کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر کہیں سالیاں پردہ کرنا بھی چاہیں تو بہنوئی اپنا حق قسب ۔ جتلا کر انھیں ایسا کرنے نہیں دیتے، اسی

طرح سالوں کی بیویوں سے پردے کا اہتمام بھی نہیں کیا جاتا یہ اپنے حقوق سے تجاوز ہے اس لیے کہ سالیوں سے پردے کے احکامات منصوص ہیں، جن کی خلاف ورزی درست نہ ہونے کے ساتھ اپنے حق سے تجاوز بھی ہے۔

درپیش عائلی مسائل کے اسباب:

1۔ مشترکہ خاندانی نظام عائلی مسائل کی ایک بڑی وجہ ہے ہر فرد اپنی ذاتی پسند اور ترجیحات رکھتا ہے۔ دوسرے کا بے جا عمل دخل ہر فرد کی نجی زندگی کے لیے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

2۔ بیوی اور خاوند کے سسرال کی بے جا مداخلت عائلی مسائل کی ایک بڑی اور معقول وجہ ہے۔ 3۔ زوجین کی جانب سے اپنے اپنے سسرال اور ایک دوسرے کے بہن بھائیوں کے حقوق کی عدم ادائیگی باہمی عائلی مسائل کی ایک وجہ ہے۔

4۔ بہت سے گھرانوں میں بیوی اور خاوند اپنے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق بھی کما حقہ پورے نہیں کرتے اس سے بھی بہت سے عائلی مسائل جنم لیتے ہیں۔

5۔ بہت سے عائلی مسائل مختلف رشتوں کے درمیان توازن اور اعتدال کے ساتھ حقوق کی عدم ادائیگی کے باعث پیش آتے ہیں۔ کئی لوگ کسی ایک رشتے کے حقوق کی ادائیگی میں ایسی مبالغہ آرائی یا شدت کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے دوسرے رشتے کے حقوق کی ادائیگی میں کمی آنے لگتی ہے۔

6۔ دیگر تہذیبوں کے اثرات اور سماجی روایات نے ہمارے عائلی نظام کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ شادی کے موقع پر غیر اسلامی رسوم و رواج، نکاح میں تاخیر کا بڑھتا ہوا رجحان بھی عائلی مسائل میں اضافے کا ایک محرک ہے۔

7۔ جبری شادیاں اور بچپن کے نکاح بھی موجودہ عائلی مسائل اور عائلی حقوق کے بے جا استعمال اور ان سے تجاوز کی ایک بڑی وجہ بن کر سامنے آ رہے ہیں۔

8۔ ذرائع ابلاغ بالخصوص الیکٹرانک ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا کے بہت سے پروگرام بھی عائلی نظام میں کے بگاڑ میں بڑا مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

9۔ گھریلو مسائل کا ایک سبب سوشل میڈیا بھی ہے، جس کا شتر بے مہار کی طرح استعمال بیشتر عائلی مسائل کا سبب ہے۔

10۔ ملکی سطح پر موجود قوانین اس بارے میں ناکافی بھی ہیں اور ان پر عمل درآمد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

سفارشات

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیادی اکائی گھر ہے،اسی لیے اسلام نے خاندانی نظام کی سلامتی اور تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔اور اسے کمزور کرنے والی باتوں کے سدباب کا حکم دیا ہے۔عائلی اصلاح بہت ضروری ہے اگر عائلی مسائل سے غفلت برتی گئی اور بگاڑ کو جاری رہنے دیا گیا تو معاشرے کا کوئی پہلو بہتری اور بھلائی سے مالامال نہ ہو سکے گا۔بلکہ اندیشہ ابتری اور تباہی کا ہے۔ہمارا معاشرہ اسلام کے اصولوں پر صحیح طور پر قائم نہیں رہا۔اس لیے دیگر شعبوں کی طرح ہمارے عائلی شعبہ میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ موجودہ عائلی مسائل میں کمی لائی جاسکتی ہے۔

1۔شادی سے قبل عائلی تربیت کا اہتمام:

والدین کو چاہیے کہ وہ عائلی زندگی کے بارے میں شرعی تعلیمات سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں۔عصری تعلیمی اداروں کے نصاب میں عائلی زندگی کی رہنمائی کے بارے میں مواد شامل نصاب کیا جائے۔دینی مدارس میں بھی اس موضوع پر کتب کو اہتمام کے ساتھ شامل نصاب کیا جائے۔نیز شادی سے پہلے باقاعدہ ایسے کورسز کروائے جائیں جس میں لڑکی اور لڑکے کو علیحدہ علیحدہ اس کی خانگی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے۔جس طرح حج پر جانے والوں کی تربیت کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا جاتا ہے،اسی طرح عازمین نکاح کی تربیت کا بھی بندوبست ہونا چاہیے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ مساجد ،مدارس اور دینی تنظیموں کو بھی اس بارے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے خاندان اور شادی کی تربیت کا شعبہ قائم کرنا چاہیے،اور اس بارے میں باقاعدہ کورسز کروانے چاہئیں۔

ان کورسز میں نکاح کے مقاصد،خاندان کی اہمیت،نکاح،طلاق،مہر،خلع،ایلاء،ظہار،لعان،پردہ،زوجین کے حقوق وحدود،والدین وبہن بھائیوں کے حقوق وحدود،اولاد کے حقوق وحدود،سسرال وزوجین کے بہن بھائیوں کے حقوق وحدود وغیرہ پر اسلامی تعلیمات پیش کی جائیں۔ان اقدامات کو موثر بنانے کے لیے ملکی سطح پر ایسا قانون بنایا جائے کہ شادی سے پہلے ان امور کی تربیت حاصل کرنا شادی کے لیے قانونی طور پر ضروری قرار دے دیا جائے۔

2۔ سرپرست کی مشاورت سے شادی کا اہتمام:

س بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے کہ شادی کا اہتمام اپنے سرپرست (والدین وغیرہ)کی مشاورت سے کیا جائے۔کیونکہ جبری شادیوں کی طرح جذباتی شادیاں بھی عموماً ناکام رہتی ہیں۔سرپرستوں کی مشاورت سے قائم ہونے

والے رشتوں میں بزرگوں کی مصالحتی کاوشوں کے باعث کشیدگی کے ازالے کے امکانات بہرحال زیادہ ہوتے ہیں۔
،،شادی اور نکاح کے بگاڑ کا اہم سبب یہ ہے کہ اپنے شریک زندگی یا رفیقۂ حیات کے انتخاب میں غور و خوض کے بجائے جلدی کی جائے، کتنے جلد باز نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے محض کسی کے جمال سے مسحور ہو کر اسے اپنی دلہن بنالیا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں منہ کے بل جا گرے۔اسی طرح بسا اوقات جلد بازی لڑکی کی طرف سے بھی پیش آتی ہے۔،،(1)۔

3۔جبری شادیوں سے اجتناب:

والدین اور سرپرستوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ شادیاں کرواتے وقت اپنے بچوں اور بچیوں کی رضامندی کو ضرور ملحوظ خاطر رکھیں، وٹہ سٹہ، ونی، سورہ، بچپن کی شادیوں اور جبر، مار دھاڑ ورسوخ کے تحت ہونے والی شادیاں زوجین کے درمیان مودت و محبت قائم نہیں کر سکتیں جو اسلام کا شادی سے مقصد ہے۔اس کے نتیجے میں بسا اوقات سالوں تک ایک چھت کے نیچے بھی زوجین اجنبیوں کی طرح رہتے ہیں۔اور اکثر تو یہ شادیاں ختم ہی ہو جاتی ہیں۔اگر یہ شادیاں قائم بھی رہیں تو زوجین کے درمیان وہ اتفاق اشتراک و ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی جو شادی کا مقصد ہے۔اس لیے ایسی شادیوں سے اجتناب لازمی ہے۔

4۔سسرال اور بزرگوں کا مضبوط کردار:

عائلی مسائل کے حل میں بیوی اور خاوند کے والدین اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کبھی خانگی مسائل ابھرتے تو آپ ﷺ بہت احسن طریقے سے صلح کروادیتے تھے۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے میں کوئی خامی دیکھتے تو خود یا نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اس کی اصلاح کروادیتے تھے۔اسلام چاہتا ہے کہ گھریلو تنازعات گھر میں ہی حل کیے جائیں،اس لیے تنازعات کی صورت میں زوجین کے والدین اور خاندان کے بزرگوں کو اپنا کردار خوش اسلوبی سے ادا کرنا چاہیے۔بزرگوں کے کردار کو اجاگر کرنے اور بزرگوں کے احترام کی معاشرتی اقدار کو بھی مضبوط بنانا چاہیے۔زوجین کے بزرگوں کو زوجین کے تنازعات حل کروانے کا منصب (اختیار) اللہ تعالی نے خود دیا ہے۔

5۔مشترکہ رہائشی نظام کی خرابیوں کا ازالہ:

ایک چاردیواری میں بہت سے خاندانوں (گھرانوں) کا ایک ساتھ رہنا کوئی دینی تصور نہیں ہے،بلکہ یہ ایک مخصوص علاقائی ثقافت کا حصہ ہے جو جنوب مشرقی ایشیا میں زیادہ رواج پا چکا ہے،یہ بہت سے عائلی مسائل مثلا ساس بہو،نند بھابھی

1۔الطیبی، عکاشہ عبدالمنان۔تحفہ از دواج۔مترجم مولانا محمود احمد، کراچی:ادارہ اسلامیات،2005ء ص90۔

کے تنازعات کا باعث بھی ہے۔اسلام میں ایسے طرز رہائش کا تصور اور تاریخ موجود نہیں۔

،،مشترک خاندان کا دینی مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر شخص جس طرح اپنی بیوی بچوں کی کفالت اور نان نفقے کا پابند ہے،اسی طرح بوڑھے والدین اور زیر دست بہن بھائیوں کی کفالت اور ان کی معاشی ضروریات کا پابند ہے۔یہ سب افراد اس کے خاندان کا حصہ ہیں قرآن مجید کی متعدد تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر فرد کا ایک الگ گھر ہونا چاہیے جہاں وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آزادی اور خود مختاری کے ساتھ رہے۔(1)۔

6۔ذرائع ابلاغ کا اہم کردار:

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ یہ ہر گھر کا جز و بن چکے ہیں۔اس لیے گھریلو مسائل کے حل میں یہ انتہائی مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ذرائع ابلاغ وسیع پیمانے پر ایک مہم چلائیں جس میں ایک مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا جائے۔میڈیا کے پروگرامات میں عائلی زندگی کے بارے میں تربیت کا اہتمام کیا جائے۔زوجین میں سے ہر ایک کے بارے میں قرآن و سنت اور اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگرام نشر ہوں۔میڈیا کے ذریعہ یہ باور کروایا جائے کہ عدالت اور قانون کے ذریعہ عائلی زندگی کو پر کیف نہیں بنایا جاسکتا۔یہ بتایا جائے کہ گھریلو تنازعات کو جنم لینے سے روکا جاسکتا ہے۔

7۔عدالتی نظام میں بہتری:

اسلام تعلیمات کی رو سے عائلی تنازعات کو عدالتوں کے بجائے زوجین کے خاندان کے بڑوں کی مشاورت سے حل کر لینا بہتر ہے،لیکن اگر عدالت کا راستہ اختیار کرنا پڑ جائے تو اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔اس کے لیے مؤثر عدالتی نظام کی ضرورت ہے جو بر وقت اور فوری انصاف فراہم کر سکے۔جسٹس(ر)مفتی محمد تقی عثانی رقمطراز ہیں۔

،،اس وقت جتنے مظالم نظر آتے ہیں ان کے دو ہی حل ہیں ایک تو یہ کہ انصاف حاصل کرنے کو سہل بنایا جائے دوسرے یہ کہ لوگوں کے دلوں میں خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کی جائے۔اس کے سوا دنیا کے امن و سکون اور مظالم سے بچنے کی کوئی شکل ممکن نہیں۔،،(2)۔

1۔ڈاکٹر شاہدہ پروین، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، ص458۔

2۔عثانی، محمد تقی جسٹس(ر)،ہمارے عائلی مسائل۔کراچی:دارالاشاعت، 1963، ص108۔

8۔ قوانین کی اصلاح اور عمل داری:

ہمارے ملک میں زوجین کی علیحدگی کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے درج ذیل قوانین نافذ ہیں۔ گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ 1925ء، بندش بچگانہ شادی ایکٹ 1929ء، قانون انفساخ ازدواج مسلمانان 1939ء، مسلم فیملی لاء آرڈیننس 1961ء ،مصالحتی عدالتوں کا آرڈیننس 1961ء، نفاذ شریعت کا قانون 1962ء، مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ مجریہ 1964ء ،حد قذف آرڈیننس مجریہ 1979ء،ان قوانین کی بیشتر دفعات تو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں لیکن چند پہلو اسلام سے متصادم بھی ہیں، جنہیں اصلاح کر کے اسلام کے ہم آہنگ بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً 1961ء کے مسلم فیملی لاء آرڈیننس میں طلاق کے بارے میں قوانین کے غیر اسلامی پہلو پر جسٹس تنزیل الرحمان رقمطراز ہیں۔

،،عائلی قوانین آرڈیننس کی دفعہ 7 کا غائرٗ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ثالثی کونسل کا قیام مرد کے طلاق دینے سے پہلے ہونا چاہیے۔اس ضمن میں ناچاقی کے بعث تفریق کے ضمن میں دیگر اسلامی ممالک کے قوانین سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔اور اس طرز پر قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک طلاق کو نوے دن تک غیر موثر رکھنے اور اس نوے دن کی ابتدا کو چیئرمین کو نوٹس ملنے پر موقوف رکھنے کا تعلق ہے شیعہ و سنی تمام فرقوں کی فقہ کے خلاف ہے۔ضرورت ہے کہ مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں دفعہ ھذا کا جائزہ لیا جائے اور اس میں احکام شرع کے مطابق جو صورتیں کثیر الوقوع اور متفق علیہ ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے دفعہ ھذا کی ترمیم کی جائے۔،،(1)۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ عائلی قوانین کو عموماً زوجین کی علیحدگی کے قوانین سمجھا جاتا ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی عائلی قوانین کے ان حصوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دے کر ملکی قوانین میں شامل کیا جائے جو عائلی زندگی کی بقا اور اس کی آسودگی کا ساماں مہیا کرتے ہیں۔ان اسلامی عائلی قوانین کے کچھ حصے بھی اگرچہ ملکی قوانین کا حصہ ہیں لیکن انھیں مکمل نافذ کرنے تک عائلی مسائل سے نمٹنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

1۔ تنزیل الرحمان، ڈاکٹر جسٹس (ر)۔ مجموعہ قوانین اسلام۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1967ء، ص 567-568

مصادر و مراجع

1۔قرآن مجید۔

2۔ابن ابی شیبہ،ابو بکر عبد اللہ بن محمد،م235ھ۔الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار۔محقق کمال یوسف الحوت،ریاض:مکتبۃ الرشد،طبع اول1409ھ۔

3۔ابن اسحٰق،محمد بن اسحاق بن یسار المطلبي بالولاء المدني،م151ھ۔سیرت ابن اسحٰق۔محقق سہیل ذکار،بیروت:دار الفکر،طبع اول1398ھ /1978ء۔

4۔ابن حجر،أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي،م852ھ۔فتح الباري شرح صحیح البخاري۔بیروت:دار المعرفۃ 1379ھ۔

5۔ ----الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ۔محقق عادل أحمد عبد الموجود و علی محمد معوض،بیروت:دار الکتب العلمیۃ،طبع اول 1415ھ۔

6۔ابن حبان،،محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ،التمیمي،أبو حاتم،الدارمي،البُستي م354ھ۔الإحسان في تقریب صحیح ابن حبان۔بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ،طبع اول 1408ھ - 1988ء۔

7۔ابن حنبل،ابو عبد اللہ احمد بن محمد الشیبانی،م241ھ۔مسند احمد بن حنبل۔محقق شعیب،عادل مرشد و غیرہ،موسسۃ الرسالۃ،طبع اول 1421ھ،2001ء۔

8۔ابن خزیمہ،ابو بکر محمد بن اسحٰق،م311ھ۔صحیح ابن خزیمہ۔محقق محمد مصطفی اعظمی،بیروت:المکتب الاسلامی،ت۔ن۔

9۔ابن خلدون،عبد الرحمٰن بن محمد،م808ھ۔تاریخ ابن خلدون۔محقق خلیل شحادہ،بیروت:دار الفکر،طبع ثانی 1408ھ،1988ء۔

10۔ابن سعد،محمد بن سعد بن منیع أبو عبد اللہ البصري الزھري۔الطبقات الکبری۔بیروت:دار صادر،ت۔ن۔

11۔ابن عابدین،محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي،م1252ھ،۔رد المحتار علی الدر المختار۔بیروت:دار الفکر،ت۔ن۔

12۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی، م1252ھ۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ۔ دار المعرفۃ، ت۔ن۔

13۔ ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، م620ھ۔ المغنی لابن قدامہ۔ قاہرہ: مکتبہ القاہرہ، 1388ھ، 1968ء۔

14۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصري، م711ھ۔ لسان العرب۔ بیروت: دار صادر، طبع ثانی 1414ھ۔

15۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، القزوینی، م273ھ۔ سنن ابن ماجہ۔ محقق محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء الکتب العربیہ، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی، ت۔ن۔

16۔ ابن ہمام، کمال الدین احمد بن عبدالواحد، م861ھ، فتح القدیر۔ بیروت: دار الفکر، ت۔ن۔

17۔ اپرٹو، ڈاکٹر عبدالحیی۔ احکام وراثت۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2014ء۔

18۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، م275ھ۔ سنن ابوداؤد۔ محقق محمد محی الدین عبدالحمید، بیروت: مکتبہ العصریہ، ت۔ن۔

19۔ ابو نعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد، م430ھ۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء۔ مصر: السعادہ بجوار محافظہ، 1394ھ، 1974ء۔

20۔ ابویاسر الشیخ ہماری شادیاں ناکام کیوں؟۔ لاہور: نعمانی کتب خانہ، حق اسٹریٹ، اردو بازار، 2006ء۔

21۔ انور، حافظ حسین انور۔ اسلامی اجتماعیت میں خاندان کا کردار۔ کراچی: مقالہ پی ایچ ڈی، کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی، 2004-2009ء۔

22۔ اسحاق، ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد۔ اسلام کا قانون طلاق اور اس کا جائز استعمال۔ لاہور: مکتبہ حسین محمد، 2013ء۔

23۔ اسید، حافظ محمد سلطان ندوی۔ پاکیزہ نسل اور صالح معاشرہ کیوں اور کیسے؟۔ حیدرآباد، بھارت: مکتبۃ الاسید ٹولی چوک، 2014ء۔

24۔ اسرار، ڈاکٹر اسرار احمد۔ تفسیر بیان القرآن۔ م۔ن۔ 1428ھ، 2008ء۔

25۔ اصلاحی، امین احسن۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام۔ لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1996ء۔

26۔ اعظمی، مولانا نعمت اللہ۔ خاندانی نظام اور خواتین کے حقوق۔ دہلی: ایفا پبلیکیشنز، 2013ء۔

27۔ اعظمی، مولانا عبداللہ۔ والدین پر اولاد کے حقوق اور ذمہ داریاں۔ کراچی: مکتبہ حمادیہ، 2015ء۔

28۔ البارعی، عثمان بن علی بن محجن فخر الدین الزیلعی الحنفی، م743ھ۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیہ الشلبی۔ قاہرہ: المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، بولاق، طبع اول 1413ھ۔

29۔ البانی، ابو عبد الرحمٰن محمد ناصر الدین، م1420ھ۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ واثرھا السیئ فی الامۃ۔ ریاض: دار المعارف، 1412ھ / 1992ء۔

30۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، م279ھ۔ سنن الترمذی۔ تحقیق و تعلیق احمد محمد شاکر، محمد فواد عبد الباقی، ابراہیم عطوہ عوض، مصر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، طبع ثانی 1395ھ، 1975ء۔

31۔ الحصکفی، محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدین الحصکفي الحنفي، م1088ھ۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار و جامع البحار۔ محقق عبد المنعم خلیل ابراہیم، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول 1423ھ- 2002ء۔

32۔ الخرائطی، ابو بکر محمد بن جعفر، م327ھ۔ مکارم الاخلاق و معالیھا و محمود طرائقھا۔ محقق ایمن عبد الجابر، قاہرہ: دار الآفاق العربیہ، طبع اول 1419ھ، 1999ء۔

33۔ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل شمس الائمۃ السرخسي، م483ھ۔ المبسوط۔ بیروت: دار المعرفۃ، 1414ھ، 1993ء۔

34۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، م360ھ۔ المعجم الاوسط۔ محقق طارق بن عوض اللہ بن محمد، قاہرہ: دار الحرمین، ت۔ن۔

35۔ ----------------۔ المعجم الکبیر۔ محقق حمدي بن عبد المجید السلفي، قاہرہ: مکتبۃ ابن تیمیۃ، طبع اول 1415ھ، 1995ء۔

36۔ الطبری، ابو جعفر، محمد بن جریر بن یزید، م310ھ۔ جامع البیان فی تاویل القرآن۔ محقق احمد محمد شاکر، موسسۃ الرسالۃ، طبع اول 1420ھ، 2000ء۔

37۔ الطیبی، عکاشہ عبد المنان۔ تحفۂ ازدواج۔ مترجم مولانا محمود احمد، کراچی: ادارہ اسلامیات 2005ء۔

38۔ المنبجی، جمال الدین ابو محمد علی بن ابی یحییٰ زکریا بن مسعود الانصاری الخزرجی، م686ھ۔ اللباب فیما الجمع بین السنۃ والکتاب۔ محقق محمد فضل بن عبد العزیز المراد، دمشق: دار القلم، الدار الشامیہ، طبع ثانی 1414ھ، 1994ء۔

39۔ النووی، ابو زکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی م676ھ۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، طبع ثانی 1392ھ۔

40۔ العثیمین، شیخ محمد بن صالح۔ شریعت کے مقرر کردہ فطری حقوق۔ مترجم ابو المکرم عبد الجلیل، ریاض: دعوت والارشاد سلطانہ، 1424ھ۔

41۔ الفرحان، ڈاکٹر راشد عبد اللہ۔ زوجین کے درمیان اسلام کا نظام معاشرت۔ مترجم مفتی محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، کڈپہ، اے پی، بھارت: الفاروق پبلیکیشنز، ت۔ن۔

42۔ ام عبد، ام عبد منیب۔ دیور اور بہنوئی۔ لاہور: مشربہ علم و حکمت، ت۔ن۔

43۔ام عبد، ام عبد منیب۔ رشتے اور حدود۔ لاہور: مشربہ علم وحکمت،1434ھ۔

44۔----------طرز رہائش الگ یا مشترکہ۔ لاہور: مشربہ علم وحکمت، ت۔ن۔

45۔ بخاری،، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ محقق محمد زہیر بن ناصر، دار الطوق النجاۃ، طبع اول1422ھ۔

46۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی الخراسانی، م458ھ۔شعب الایمان۔ محقق ڈاکٹر عبد العلی بن عبدالحمید حامد، ریاض: ،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، طبع اول 1423ھ،2003ء۔

47۔--------------۔دلائل النبوۃ۔ دار الکتب العلمیۃ ودار الریان للتراث، طبع اول1408ھ / 1988ء۔

48۔ تنزیل الرحمان، ڈاکٹر جسٹس (ر)۔ مجموعہ قوانین اسلام، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1967ء۔

49۔ تھانوی، مولانا اشرف علی۔ اصلاح احوال۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، 1417ھ۔

50۔جصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي ،م370ھ۔احکام القرآن۔ محقق ، محمد صادق القمحاوي، عضو لجنۃ مراجعۃ المصاحف بالأزهر الشريف ،بیروت: دار احیاء التراث العلي ، 1405ھ۔

51۔حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری، م405ھ۔المستدرک علی الصحیحین۔ مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع اول1411ھ،1990ء۔

52۔ حکیم، محمد اختر۔ حقوق النساء۔ کراچی: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال، ت۔ن۔

53۔ حبیب الرحمان، ڈاکٹر،۔احکام نفقہ۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،2014ء۔

54۔ خطیب الحرم، صالح بن عبداللہ بن حمید،نضرۃ النعیم فی اخلاق الرسول الکریم ﷺ،جدہ: دار الوسیلۃ للنشر والتوزیع،ت۔ن۔

55۔ خالد رحمان، سلیم منصور۔ عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ۔ اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2007۔

56۔خالد علوی، پروفیسر ڈاکٹر۔اسلام میں اولاد کے حقوق۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی،2007ء۔

57۔-------------اسلام کا معاشرتی نظام۔لاہور: الفیصل اردو بازار، ت۔ن۔

58۔ذاکر نائیک، ڈاکٹر عبدالکریم۔اسلام میں خواتین کے حقوق جدید یا فرسودہ۔مترجم سید امتیاز احمد، لاہور: دار النوادر،2006۔

59۔رفیع، فاروق۔مثالی گھر۔لاہور: ترجمان الحدیث پبلیکیشنز،2011ء۔

60۔------۔گھریلو زندگی خوشی اور سکون کے ساتھ۔لاہور: فصل الخطاب للنشر والتوزیع، ت۔ن۔

61۔زبیدی، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني ، أبو الفيض ،م1205۔تاج العروس من جواهر القاموس۔دار الهدایہ، ت۔ن۔

62۔شاہدہ، ڈاکٹر حافظہ پروین۔ عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات۔لاہور: شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ت۔ن۔

63۔ ضیغم، تفضیل احمد۔ جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟۔لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2006ء۔

64۔ طیبی، محمد یوسف۔ مسنون شادی۔لاہور: دارالاندلس، ت۔ن۔

65۔ عثمانی، محمد تقی مفتی جسٹس (ر)۔ اصلاحی خطبات۔ کراچی: میمن اسلامک پبلیشرز، 1993۔

66۔---------------ہمارے عائلی مسائل۔ کراچی: دارالاشاعت، 1963ء۔

67۔---------------آسان ترجمہ۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ت۔ن۔

68۔--------------- خاندانی حقوق فرائض۔ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ت۔ن۔

69۔---------------معاشرتی حقوق فرائض۔ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، 1426ھ۔

70۔---------------اپنے گھروں کو بچائیے۔ کراچی: ادارۃ المعارف، ت۔ن۔

71۔ عروج، سید احمد قادری۔ اسلام کے عائلی قوانین۔مرتب ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، نئی دہلی: 2015ھ۔

72۔ عینی، ابو محمد محمود بن احمد، بدرالدین عینی، م855ھ۔البنایہ شرح الھدایہ۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، طبع اول 1420ھ، 2000ء۔

73۔ عبقری، حکیم محمد طارق محمود۔کامیاب شادی کے سترہ اصول نبوی طریقے اور جدید سائنس۔لاہور: خزینہ علم وادب، 2003ء۔

74۔ عبدالواحد، مولانا پیر طریقت۔ بیوی کے حقوق یعنی شوہر کی ذمہ داریاں۔ کراچی: دارالکتب، 2016ء۔

75۔---------------شوہر کے حقوق یعنی بیوی کی ذمہ داریاں۔ کراچی، دارالکتب، 2016ء۔

76۔ عبدالوھاب۔ خلاف، متوفی 1375ھ۔ أحکام الأحوال الشخصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ۔ قاہرہ: دارالکتب المصریہ، 1357ھ۔1938ء۔

77۔ فیروز آبادی، مجدالدین۔ ابو طاہر محمد بن یعقوب، م817ھ۔القاموس المحیط۔ بیروت: مکتب تحقیق التراث فی مؤسسۃ الرسالۃ، طبع ثانی 1426ھ، 2005ء۔

78۔ قلعجي، قنيبي، محمد رواس قلعجي -حامد صادق قنيبي، معجم لغۃ الفقہاء۔ دارالنفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع ثانی ھ 1988۔

79۔قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر، م671ھ۔الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی۔ محقق احمد البردونی واحمد اطفیش، قاہرہ: دارالکتب المصریہ، طبع ثانی 1384ھ، 1964ء۔

Scanned with CamScanner

80۔قزوینی، أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازي، أبو الحسین، م395ھ۔ معجم مقاییس اللغۃ۔ محقق عبدالسلام محمد ہارون، دار الفکر، 1399ھ، 1979ء۔

81۔ کاسانی، علاء الدین، أبو بکر بن مسعود بن أحمد الکاساني الحنفي، م587ھ۔ بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع۔ دار الکتب العلمیہ، 1406ھ، 1986ء۔

82۔ کرم شاہ، پیر جسٹس (ر)۔ ضیاء القرآن۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1995ء۔

83۔-----------------ضیاء النبی ﷺ۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ت۔ن۔

84۔ مسلم بن حجاج، ابوالحسن القشیری، م261ھ۔ صحیح مسلم۔ محقق محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء التراث، ت۔ن۔

85۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ پردہ۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 2002ء۔

86۔----------------- حقوق الزوجین۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1972ء۔

87۔ محمد اختر (مترجم)۔ مسلمان خاندان اسلام کی آغوش میں۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2012ء۔

88۔ محمد زاہد۔ مغلوب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات۔ لاہور: کتاب سرائے، 2012ء۔

89۔ مدنی، عبدالہادی عبدالخالق۔ بیوی اور شوہر کے حقوق۔ سدھارتھ نگر یوپی، بھارت: دارالاستقامہ، 2005ء۔

90۔ محبوب احمد۔ مثالی باپ۔ لاہور: مکتبۃ العلم، ت۔ن۔

91۔ نسائی، أبو عبدالرحمن أحمد بن شعیب بن علي الخراساني، النسائي، م303ھ ۔ سنن صغریٰ۔ محقق، عبدالفتاح أبو غدۃ، حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، طبع ثانی 1406ھ، 1986ء۔

92۔ نعیم صدیقی۔ عورت معرض کشمکش میں۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، 1998ء۔

93۔ نقشبندی، پیر ذوالفقار احمد۔ مثالی ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول۔ فیصل آباد: مکتبۃ الفقیر، ت۔ن۔

94۔ نجیب، ڈاکٹر مولانا قاسمی سنبھلی۔ فیملی مسائل۔ سنبھل یوپی، بھارت: فرید میم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفیئر سوسائٹی، 2016ء۔

95۔ نقاش، روبینہ۔ اپنے گھروں کو بربادی سے بچائیں۔ م۔ن۔ت۔ن

96۔ ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر محی الدین۔ حقوق کا بے جا استعمال شرعی نقطہ نظر۔ اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2014ء۔

97۔ ہارون معاویہ۔ شوہر کے حقوق اور بیوی کی ذمہ داریاں۔ لاہور: بیت العلوم، 2009ء۔

98۔--------بیوی کے حقوق اور شوہر کی ذمہ داریاں۔ لاہور: بیت العلم، 2009ء۔

99۔ یوسف، مولانا صلاح الدین۔ تفسیر مکہ۔ سعودی عرب: مطبع شاہ فہد قرآن کمپلیکس، 1414ھ، 1994ء۔

100۔ یاسین، شیخ محمود احمد۔ اسلام میں زوجین کے حقوق۔ مترجم حافظ محمد زبیر، لاہور: ڈیزائن سکوپ پرنٹرز، 2006ء۔

101۔ الفتاویٰ الہندیہ، جماعة علماء برئاسة نظام الدين البلخي۔ بیروت: دار الفکر طبع ثانی 1310ھ۔

102۔ الموسوعة الفقهية الكويتية۔ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت: طبع (من 1404 - 1427 ھ)۔

103۔ مجلس انتظامیہ جامعہ پنجاب۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1946ء۔

104۔ سہ ماہی، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، بھارت، جون: اپریل 2017ء۔

105۔ یاسمین، ڈاکٹر اکرام الحق۔ قرآن کا تصور ازدواج اور مرد و عورت کے معاشرتی دائرہ ہائے کار،، فکر و نظر 1:48۔

106۔ کوثر یاسمین۔،، تحفظ حقوق نسواں بتاریخی و اسلامی تناظر، ہزارہ اسلامیکس 1:4 (جنوری-جون 2015)۔

107۔ مس نسیم سحر صمد۔،، اسلامی معاشرت اور خاندان کا کردار تحقیقی جائزہ، احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں،، الاضواء 29:41۔

108۔ ڈاکٹر شاہدہ پروین۔،، مکالمہ اور خاندان کے فکری امن کے قیام میں اس کا کردار،، القلم دسمبر 2014ء۔

109۔ ایکسپریس سنڈے میگزین، 23 فروری 2014ء۔

110. The Columbia Encyclopedia,Article : family, Columbia university press, Newyork second edition, 1950,page 653.